

اسی السلام اور من عالم کا داعی کثیر الشرف تاجیون



منہاج القرآن
ماہنامہ
لاہور

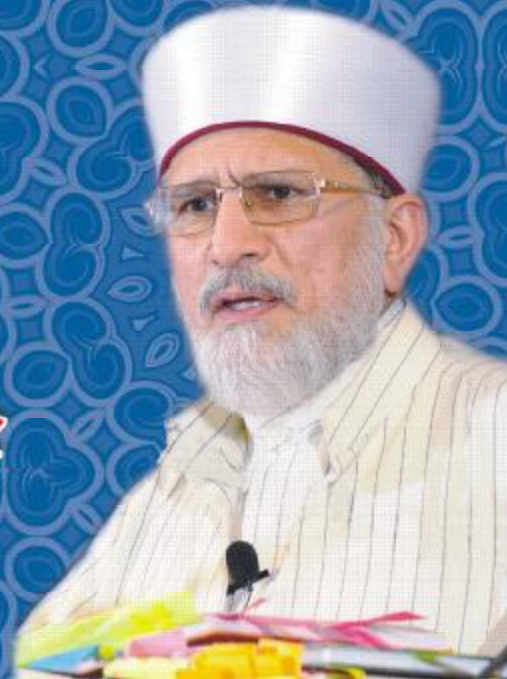
جولائی 2012ء

ولایت ما --- تو جبرالی اللہ
رسالت ما --- تو جبرالی الخلق

روزگارا
روح کی غذا
باطن کا نور

جمہوریت کے بانی

محسن انسانیت ﷺ
میں



امریکہ میں تاریخی میلاد کانفرنس میں شریک ہزاروں افراد سے شیخ الاسلام کا خطاب



نعت بحضور سرور کونین ﷺ

اشکوں سے دل کو دھونے کی مہلت عطا کریں
 رہنے لگوں میں در پہ ، اجازت عطا کریں
 مل جائے ایک جست میں پھر منزل رضا
 راہ میں عشق کی سیرت عطا کریں
 قدیم پاک ہی میں مرا اختتام ہو
 قدیم پاک کی مجھے نسبت عطا کریں
 امت نجاتہ حال ہے شدت کی دھوپ ہے
 اس کو حضور سایہ رحمت عطا کریں
 ہونٹوں کو ہو نصیب در نور چومنا
 پشیمان تر کو دید کی دولت عطا کریں
 ناحق لہو سے تر ہے قبائے وطن حضور
 نگہ کرم ، حصار حفاظت عطا کریں
 کٹ تو گئی حضور مگر فاصلے رہے
 آخر میں اپنے قرب کی نعمت عطا کریں
 یلغار کی نظر ہے بقائے دیار اب
 بوکر و عمر جیسی قیادت عطا کریں
 اس آرزو کے ساتھ تہی دامن بھی ہے
 دامن میں اٹک ہائے ندامت عطا کریں
 سارے چراغ بجھ گئے، بے نور ہے وطن
 آقا! جہان نور کی طلعت عطا کریں
 شاخوں پہ رنگ و نور کی کلیاں کھلیں حضور
 پھولوں کو موج شوخی نگہت عطا کریں
 ملت کے نوجوان پریشان ہیں بہت
 مولا انہیں یقین کی قوت عطا کریں
 چشم قلم ہو نم در اقدس پہ بیٹھ کر
 حرف و بیان و خامہ مدحت عطا کریں
 حرص و ہوا کی دوڑ میں شامل نہیں ہوں میں
 مجھ کو متاع فقر و قناعت عطا کریں
 اس خاکدان جبر میں ہے بے نوا عزیز
 اس بے نوا کو نگہ عنایت عطا کریں
 جلوت میں بھی دھیان مدینے میں ہو مرا
 کیفیت حضور کی خلوت عطا کریں
 شیخ عبدالعزیز دباغ (نائب ناظم اعلیٰ تحریک منہاج القرآن)

افسوسناک سیاسی رویے

ہمارے ہاں ایک افسوسناک رجحان یہ ہے کہ سیاسی عہدیدار اور کارکن قومی، عوامی اور آئینی پاسداری اور وفاداری کا خیال رکھے بغیر پارٹی اور قیادت سے وفاداری کی روش پر گامزن رہتے ہیں حالانکہ ہر پارٹی اگر وہ پاکستان کے آئین اور قانون کے مطابق کام کر رہی ہے تو اسے پاکستان کے قومی مفادات کا تحفظ عزیز ہونا چاہئے مگر یہاں انصاف کی بات کو غیر آئینی اور بلا جواز کہا جاتا ہے۔ ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ چوری کا تحفظ آئینی تقاضا بن گیا ہے اور لوٹ مار کے مال کی بازیابی کے لئے کئے جانے والے عدالتی اقدامات حکومتی عہدیداروں کی زبان میں ”سیاہ تاریخ“ کہلانے لگے ہیں۔ ہمارے ہاں نہ صرف موجودہ حکومتی پارٹی بلکہ اقتدار میں آنے والی ہر جماعت کا یہی وطیرہ رہا ہے کہ ہر قیمت پر اپنے اقتدار کو نہ صرف طول دیا جائے بلکہ اس دوران جس قدر ہو سکے اپنوں کو اتنا نوازا جائے کہ وہ آئندہ الیکشن میں ان کے لئے بہترین سرمایہ کاری ثابت ہو۔ اسی سوچ کے عملی اظہار کے طور پر کرپشن کے گذشتہ تمام ریکارڈ ٹوٹے نظر آتے ہیں اور اداروں کے مابین تصادم کی کیفیت بھی برقرار رہتی ہے۔

اقتدار میں آنے کے بعد آئندہ اقتدار میں آنے کے لئے صدر، وزیر اعظم مع خاندان، وزراء اور ممبران اسمبلی ”زادِ راہ“ اکٹھا کرنے کی فکر میں اصل قومی مسائل سے ہی چشم پوشی اختیار کر لیتے ہیں۔ ہمسایہ ممالک اور اقوام عالم کے ساتھ دور اندیشی و حکمت پر مبنی خارجہ پالیسی کی تیاری تو بڑی دور کی بات داخلہ معاملات پر ہی کوئی واضح پالیسی ہمارے سیاستدان دینے سے قاصر نظر آتے ہیں۔ بلوچستان کا معاملہ ہو یا کراچی میں نارگٹ کلنگ، خیبر پختونخواہ میں ہر آئے دن ہونے والے دھماکے ہوں یا بجلی کا بحران کسی جانب بھی کوئی مخلص کاوش نظر نہیں آتی۔

اندریں حالات اگر کوئی ادارہ اس مایوس کن ماحول میں امید کی کرن بنتا ہے اور آئینی و قانونی تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے حکومتی وزراء اور کارندوں کی کروڑوں روپے کی کرپشن کو منظر عام پر لا کر برائی کی تیخ کٹی کرنا چاہتا ہے تو حکومت کے نزدیک یہ بھی ”سیاہ تاریخ“ کا حصہ ہے۔ وطن عزیز میں موجودہ حکومتی پارٹی اور اتحادی جماعتوں کی ناک کے نیچے اتنا کچھ ہوتا رہا، جمہوریت اور عوام کے نام پر عوام پر بدانتظامی، بدامنی، قتل و غارتگری، مہنگائی، بے روزگاری، اقرباء پروری اور قانونی خلاف ورزیوں کا عذاب مسلط کیا گیا، عدالتی فیصلہ جات کا تسمخر اڑایا گیا اور حکومت نے عوامی ہو کر عوام کے خلاف اقدامات اٹھائے مگر شومی قسمت کہ قانون اور آئین کا حلف اٹھانے والے اعلیٰ عہدیدار عملاً قانون کے مخالف اور آئین سے مذاق کو جمہوریت کا نام دے رہے ہیں۔ عوامی نمائندگان اور حکمران ذاتی تسکین کے لئے عوام پر ظلم کر رہے ہیں۔

محترم قارئین! ملک و قوم کا ہر طبقہ اخلاقی زوال کا شکار ہو چکا ہے۔ اسلامی افکار اور اقدار کا ہر آئے روز

جنانہ نکل رہا ہے۔ قومی خود مختاری، غلامی میں ڈھل چکی ہے۔ غربت کے ہاتھوں ہر آئے روز خود کشیوں میں اضافہ ہو رہا ہے اور اب قوم کو دیانت امانت اور حب الوطنی کا درس دینے والے اور اپنے آپ کو ریاست کے چوتھے ستون کے طور پر متعارف کروانے والے ”میڈیا“ کے بھی کئی چہرے بھی بے نقاب ہو چکے ہیں، مفادات اور پیسے کے کھیل نے قوم کے اس ”چہرہ“ کو بھی داغدار کر دیا ہے۔

یہ اجتماعی زوال اس لئے ہے کہ عوام کی اجتماعی سوچ، انفرادی سوچ میں ڈھل چکی ہے۔ مہنگائی نے عوام کی سوچ کو قومی مسائل کی طرف دیکھنے سے محروم کر دیا ہے۔ عوام کی بے حسی، بے غرضی، چشم پوشی، مفاد پرستی اور اپنے حقوق سے لاعلمی اس کرپٹ اور فرسودہ نظام کی بقاء کا باعث بن رہی ہے۔ کیا ہم اس کرپٹ اور فرسودہ سیاسی نظام اور نظام انتخابات کے ذریعے بھی نجات کو تلاش کرنے کی کوشش کریں گے یا نظام کو بدلنے کے لئے اپنا کلیدی کردار ادا کریں گے۔ اگر ہم نے ملک و قوم کی تقدیر اسی نام نہاد جمہوری نظام کے ساتھ وابستہ کر دی تو ہمیں اس پہلو پر ضرور سوچنا چاہئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری آنے والی نسلیں ہمارے خلاف تاریخ کی عدالت میں ہماری نااہلی کی گواہی دیں۔

عوامی احتجاج کے مثبت اور منفی رویے

حالیہ لوڈ شیڈنگ کے ہاتھوں تنگ آئے ہوئے عوام دھیرے دھیرے ملک گیر اور خطرناک احتجاج کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ کرپٹ بددیانت اور غیر سنجیدہ حکومت کے خلاف عوامی جذبات کا اظہار اپنی جگہ نہ صرف بجا بلکہ فرض کی بجا آوری ہے کیونکہ توانائی کا جو بحران اب ہماری معیشت کو ہڑپ کر رہا ہے اور ملک میں بے روزگاری، ذہنی دباؤ، مہنگائی اور ان گنت مسائل کی فصل اگا رہا ہے، یہ ایک دم نہیں پیدا ہوا۔ سابق حکومتوں سے لے کر موجودہ زرداری حکومت تک ہر حکومتی شخص اس قومی بحران کا قصور وار ہے۔ آپ کا لا باغ ڈیم کے مسئلے کو ہی لے لیں آج سے نصف صدی قبل اس قومی اہمیت کے حامل ڈیم کی تعمیر کے منصوبے کو آخری شکل دے دی گئی تھی اور ہر حکومت نے اس کے لئے بجٹ بھی مختص رکھا مگر سیاسی مصلحتیں آڑے آتی رہیں اور غیر ملکی ایجنٹوں کی کارستانیوں کے طفیل یہ ڈیم تنازعہ بنا دیا گیا تا آنکہ موجودہ حکومت نے اس منصوبے پر قلم ہی پھیر دیا۔ ہم لمحہ بہ لمحہ تاریکی میں ڈوبتے جا رہے ہیں۔ یہ صورت حال انتہائی تشویشناک ہو رہی ہے، اسی وجہ سے ملک سے سرمایہ باہر منتقل ہو رہا ہے اور بے روزگاری کا سیلاب اٹھ رہا ہے۔ اس تمام کی ذمہ دار ہوں پرست سیاستدان اور کرپٹ انتظامیہ ہے۔

لوگ تنگ آ کر آمادہ جنگ ہو رہے ہیں، کئی جگہوں پر احتجاج کرنے والے قومی املاک کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ یہ نقصان بھی اسی طرح کا قومی جرم ہے جس میں حکمران ملوث ہیں۔ لہذا احتجاج کرنے والوں کو جوش کے ساتھ ہوش سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ حقوق مانگتے ہوئے کوئی شخص اگر اپنے ہاتھ پاؤں کا ثنا شروع کر دے تو یہ اس کا مجنونانہ اور احمقانہ پن ہوگا۔ ہم اس نقصان دہ جنون کو پاگل پن سمجھتے ہیں اور اس کی بھرپور مخالفت کرتے ہیں۔ احتجاج کرنے کے درجنوں طریقے ہیں جو ہر مہذب ملک میں اپنائے جاتے ہیں۔

ڈاکٹر علی اکبر قادری

ولایت۔۔۔ توجہ الی اللہ

نبوت و رسالت۔۔۔ توجہ الی الخلق

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا خصوصی تربیتی خطاب ☆

مرتب: محمد یوسف منہاجین

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کی بلخ کے ریگستانوں میں سفر کے دوران ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی۔ ان سے گفتگو ہوئی تو انہوں نے کہا کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ نے کہا کہ اسم اعظم عطا کیجئے۔ انہوں نے ان کو اسم اعظم دے دیا اور تلقین کی کہ یہ اسم کے پاس رہتا ہے جو اسم اعظم کے ذریعے دنیا میں کسی بڑے سے بڑے دشمن کو بھی بددعا نہ دے جو اس کو اپنے دشمن کے خلاف استعمال کرے اس کے پاس نہ اسم اعظم رہتا ہے اور نہ اس کی برکت رہتی ہے۔

۱۔ قَدْ اتَّخَذُوا الرِّضَاءَ عَنِ اللَّهِ لِبَاسًا.

اللہ کی رضا کو ہر حال اور ہر کام میں لباس بنا لے۔۔۔ تنگدستی میں ہو یا فراخی میں۔۔۔ صحت مندی میں ہو یا بیماری میں۔۔۔ تنگی میں ہو یا پریشانی میں۔۔۔ خوشی ہو یا غم۔۔۔ جس حال میں رب رکھے اس پر راضی رہو اور اللہ کی یہ رضا بندے کا لباس بن جائے۔

۲۔ وَحُبَّهُ دِنَارًا

اور اللہ کی محبت اس رضا کے لباس کا جبہ بن جائے، اس کی زینت بن جائے۔

۳۔ وَالْآثَرَةُ لَهُ بِشَعَارًا

اور جو کچھ دستیاب ہو اللہ کے لئے ایثار کر دینا، قربان کر دینا شعار بن جائے۔

ان تینوں چیزوں کا اپنانا اسم اعظم ہو جاتا ہے۔ یہ اصل تصوف ہے۔

گویا شرط لگادی کہ اس سے کسی کا بُرا نہیں چاہنا، بڑے سے بڑا دشمن بھی اگر آپ کو گزند و تکلیف پہنچائے، دشمنی میں حد سے گزر جائے، تب بھی اسم اعظم استعمال کرنے کی اجازت نہیں چونکہ یہ اسم اعظم ہے لہذا اس کے لئے حوصلہ بھی اعظم ہونا چاہئے۔

اس لئے میں کہا کرتا ہوں کہ جن کو کچھ ملتا ہے وہ ملتا اس شرط پر ہے کہ حوصلہ بڑا ہونا چاہئے۔ یہ نہیں کہ جو ملا اسے اپنے مخالفوں پر استعمال کرے اور انہیں بھسم ہی کرنا شروع کر دے، اس طرح تو اسلام کا سارا نظام روحانیت تماشہ بن جائے۔ جن کو ملتا ہے وہ خیر خواہی کے لئے ملتا ہے، بدخواہی کے لئے نہیں ملتا۔

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ نے بعد ازاں ”اسم

نہیں ہے اگر آپ اس ”اسم اعظم“ کو لے لیں تو آپ کا بھی یہی حال ہوگا کہ ساری رات لوگ آپ کو سننے کے لئے بیٹھے رہیں گے اور صبح تک کوئی نہیں جائے گا۔

وہ کہنے لگے: یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ میں نے کہا: آپ کے ذہن میں آئے یا نہ آئے، آپ کی مرضی ہے، میرا تو اس میں قصور نہیں ہے مگر میں نے قسم کھا کر بتا دیا ہے کہ بس یہی سب کچھ ہے یعنی میرا عمل مخلوق کے لئے نہیں کہ مخلوق جمع ہو جائے اور یہ ہو جائے اور وہ ہو جائے، میں اس چیز کے متعلق سوچتا بھی نہیں۔ مخلوق کی سوچ کو دل سے نکال دینا صرف اسی کی خاطر سب کچھ کرنا یہ اسم اعظم ہے اور اصل تصوف ہے۔

فیض رسائی درحقیقت قربانی ہے

اللہ کے لئے ایثار و قربانی کا مظاہرہ کرنا اسم اعظم ہو جاتا ہے۔ صوفیاء ایثار کرتے ہیں اور ان سے بڑا ایثار کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ وہ جو فیض دیتے ہیں وہ بھی ان کا ایثار ہی ہے۔ آپ میں سے کچھ سوچیں گے کہ یہ کیسا ایثار ہے کہ ایثار کرنے والے کے اپنے پاس سے کچھ بھی نہیں جاتا۔ یاد رکھیں! اس لئے کہ جس طرف فیض دینا ہو تو اس طرف توجہ دینا بھی ضروری ہوتا ہے جبکہ ولایت توجہ الی اللہ کا نام ہے۔ استغنا عن الخلق، مخلوق سے بے نیاز ہو جانا، مخلوق سے توجہ ہٹا دینا اور متوجہ الی اللہ ہو جانا ولایت ہے۔ ولایت، مخلوق سے دھیان ہٹا کر ہمہ تن اللہ کی طرف متوجہ ہونے کا نام ہے۔ لہذا جب اللہ والے دوسرے بندوں کو فیض دینے کے لئے ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو وہ اپنی توجہ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ اوپر سے کچھ توجہ ہٹاتے ہیں، اپنا نقصان کرتے ہیں اور اللہ کی مخلوق کو عطا کرتے ہیں۔ جب اپنی توجہ ادھر سے ہٹاتے ہیں اور مخلوق کو دینے کے لئے ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو

ہمارے ہاں اسم اعظم کا ایک اور تصور ہے جس کے لئے ہم مارے مارے پھرتے ہیں۔ تقریباً سولہ سترہ سال پرانی بات ہے کہ میرے پاس لاہور کے کچھ علماء کرام کا وفد آیا۔ انہوں نے کہا کہ گذشتہ دنوں ہم اہلسنت کے ایک بڑے دارالعلوم میں جمع تھے وہاں آپ کا تذکرہ بھی ہوا۔ آپ کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے اس محفل میں موجود تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہوا کہ دیگر علماء کے بالکل برعکس آپ کے پاس عوام الناس کا کثرت سے آنا، پروگرامز میں ساری رات لوگوں کا بیٹھے رہنا، صرف اعتراف ہی میں دس دنوں کے لئے 30 ہزار تک لوگوں کا آجانا اور اسی طرح کے کئی بہت سے معاملات اس لئے ہیں کہ آپ کے پاس کوئی ”اسم اعظم“ ہے۔ لوگوں کا یوں آپ کی طرف کھینچے چلے آنا اسی اسم اعظم کے سبب ہے۔ لہذا فیصلہ کیا گیا کہ کسی طریقہ سے آپ سے پوچھا جائے اور تصدیق کی جائے کہ کیا واقعی اسی طرح ہے؟ لہذا ہم آپ سے اسی کے متعلق پوچھنے کے لئے آئے ہیں۔

میں ہنس پڑا اور کہا کہ جو اسم اعظم کا معنی آپ سمجھتے ہیں، وہ میرے پاس نہیں ہے اور نہ ہی کبھی زندگی میں اس کی طلب کی ہے۔ جو کچھ ہے وہ بتاتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اللہ کی عزت کی قسم، آقا ﷺ کی عظمت کی قسم، میں نے ساری زندگی جو کچھ چاہا اور جو کچھ کیا کبھی مخلوق اور دنیا کے لئے نہیں کیا۔ جو کرتا ہوں، صرف اللہ کے لئے کرتا ہوں۔ بیماری بھی آجائے تو اپنے لئے دعا بھی نہیں کرتا، کھانا نہ ملے اور فاقہ آجائے تو تب بھی دعا نہیں کرتا، اس لئے کہ اپنے لئے مانگتے ہوئے شرم آتی ہے۔ میں نے دنیا کے لئے نہ کبھی اللہ سے چاہا اور نہ چاہتا ہوں اور نہ دنیا کے لئے کرتا ہوں اور نہ دنیا کی فکر کرتا ہوں۔ جو سوچتا، چاہتا اور کرتا ہوں صرف اللہ کے لئے کرتا ہوں۔ میرے پاس کوئی اسم اعظم

اس سے بڑی قربانی اور کیا ہے۔

رسالت، توجہ الی الخلق ہے

جب نبوت و رسالت کے فریضہ کی ادائیگی شروع ہوگئی تو پھر کبھی مکہ کی گلیوں میں اور طائف کے بازاروں میں۔۔۔ کبھی حرم کے محن میں اور کبھی شعب ابی طالب میں۔۔۔ کبھی دار ارقم میں اور کبھی کسی دوسری گھاٹی میں۔۔۔ کبھی منیٰ میں کبھی کسی پہاڑ کی چوٹی پر۔۔۔ بس دعوت ہے، مخلوق کے ساتھ واسطہ ہے اور ان کو ہدایت کی طرف بلا رہے ہیں، دوزخ سے نکال کے جنت لے جا رہے ہیں۔ اب خلوت نہ رہی، وہ تنہائی نہ رہی، توجہ الی اللہ کی وہ کیفیات نہ رہیں جن کی وجہ سے طبیعت مقدسہ کے اندر خلوت نشینی کا ذوق تھا اور توجہ الی اللہ کے اندر کیف و مستی اور سرور تھا۔ اب جب وہ ماحول نہ رہا اور ہر وقت مخلوق کی طرف دھیان رہا تو اندر ایک بوجھ رہنے لگا، اس بوجھ کو رب نے یہ فرما کر اتارا:

وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ ۝ الَّذِي أَنْقَضَ ظَهْرَكَ.

(الانشراح: ۳۱)

”اور ہم نے آپ کا بار آپ سے اتار دیا جو آپ کی پشت (مبارک) پر گراں ہو رہا تھا۔“

وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ سے مراد

اے محبوب جو بوجھ آپ کے اوپر تھا ہم نے اتار دیا۔ وہ بوجھ کیا تھا؟

وہ بدبخت ہے جو معاذ اللہ گناہوں کا بوجھ سمجھے۔۔۔ آپ ﷺ پر نہ کسی غفلت کا بوجھ تھا اور نہ کسی لاعلمی کا بوجھ تھا۔۔۔ معاذ اللہ نہ قبل از بعثت کسی امر کا بوجھ تھا۔ طبیعت پر بوجھ اس کے ہوتا ہے کہ جس نے کوئی خرابی کی ہو، گناہ کیا ہو، ظلم کیا ہو، زیادتی کی ہو اور کوئی خطائیں کی ہوں، ان کے بارے سوچ سوچ کر اس کا بوجھ ہوتا ہے۔ مصطفیٰ ﷺ پر ان میں سے کسی شے کا بوجھ نہ تھا۔ وہ تو ساری کائنات کے بوجھ اتارنے والے ہیں، ان پر کیا بوجھ ہو سکتا ہے۔

اب جس بوجھ کے اتارنے کا اللہ تعالیٰ نے

ولایت، توجہ الی اللہ ہے تو نبوت و رسالت توجہ الی الخلق ہے، توجہ من الخالق الی الخلق۔ رب سے وصول کر کے مخلوق کو ہدایت دینے کے لئے متوجہ ہونا۔ نبوت و رسالت، اللہ سے وصول کر کے مخلوق کی طرف متوجہ ہونے کا نام ہے۔

نبوت و رسالت کے اعلان سے قبل آقا ﷺ غار حرا میں تیس تیس اور چالیس چالیس راتیں بسر کرتے، کھانا بھی بھول جاتے اور ایک مستی و بے خودی میں غار حرا میں دن گزارتے۔ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ جب بعثت کا زمانہ قریب آیا حَبَّبَ إِلَيْهِ الْخَلَاءَ (صحیح بخاری، ج: ۱، رقم: ۳)

آقا ﷺ کو خلوت محبوب بنادی گئی یعنی غلبہ ولایت ہوا اور غار حرا میں خلوت نشینی کرنے لگے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ

مصطفیٰ اندر حرا خلوت گزید
مدت جز خیشتن کس را نادید

خلق کی ہدایت کے لئے نبوت جلوت چاہتی ہے، ظہور چاہتی ہے جبکہ ولایت مولیٰ سے تعلق کے لئے اخفاء اور خلوت چاہتی ہے۔ آقا ﷺ پر جب احوال

ولایت کا غلبہ ہو گیا تو پھر کھانا پینا بھی بھول گئے، پھر اس حال میں حق ظاہر ہوا اور فریضہ رسالت سپرد ہوا تو حکم آ گیا:

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ. قُمْ فَأَنْذِرْ. وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ
”اے چادر اوڑھنے والے (حبیب!) اٹھیں اور (لوگوں کو اللہ کا) ڈر سنائیں اور اپنے رب کی بڑائی (اور عظمت) بیان فرمائیں۔“ (المدثر: ۱-۳)

اس حکم ربانی کی تعمیل میں کوہ صفا پر لوگوں کو اکٹھا کیا اور مخلوق کو راہ ہدایت پر لانے میں مصروف ہو گئے۔ پھر خلوت نشینی نہ رہی۔

ایک ہے اگر حال ”تفرقہ“ ہو تو پھر خلوت اور جلوت میں فرق ہوتا ہے۔ خلوت میں جائیں تو مزہ آتا ہے اور لوگوں کے ہجوم میں جائیں تو وہ مزہ نہیں آتا۔

رب کریم اگر مقام ”جمع“ عطا کر دے تو اس ”مقام جمع“ میں بندے کا حال اللہ کے ساتھ مل جاتا ہے اور حال، حال نہیں رہتا بلکہ مقام ہو جاتا ہے۔ جب اللہ کے ساتھ بندے کے حال کو جوڑ دیا جاتا ہے تو وہ ”مقام تفرقہ“ سے نکال دیا جاتا ہے۔ اب خواہ وہ خلوت میں بیٹھے یا جلوت میں رہے۔۔۔ تنہائی میں ہو یا لاکھوں کے ہجوم میں ہو۔۔۔ اس کا جسم مخلوق میں رہتا ہے اور روح خالق کے ساتھ رہتی ہے۔۔۔ یہ چلتا پھرتا فرش پر ہے مگر اس کی مستی و بے خودی عرش کی ہوتی ہے۔۔۔ اس کا گفتگو کرنا، رہن سہن، اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا مخلوق کے ساتھ ہوتا ہے مگر اسکا من، قلب، باطن، روح، خفی، انہی اور اس کے سارے لطائف اپنے اپنے حال کے مطابق مالائے اعلیٰ سے لے کر حضور الہ تک ہوتے ہیں۔۔۔ مقام جمع پر اس کی جلوت بھی خلوت بن جاتی ہے۔ جو مزے تنہائی میں آتے ہیں، وہ ہجوم میں بیٹھ کر بھی وہی مزہ لیتا رہتا

ارشاد فرمایا، وہ بوجھ یہ تھا کہ مصطفیٰ ﷺ فرما رہے ہیں کہ مولا تو نے خلق کی ہدایت پر رات دن لگا دیا۔۔۔ ایک وہ وقت تھا کہ رات دن تصور جاناں میں بیٹھے رہتے تھے۔۔۔ نہ کوئی تنکتا تھا اور نہ مری نگاہ میں کوئی آتا تھا۔۔۔ غار کی خلوتیں ہوتیں اور ایک تیرا دھیان تھا۔۔۔ ہر وقت تیرے دھیان میں مستی و بے خودی تھی اور تجھ سے باتیں تھیں۔ وہ جو خلوت کی کیفیتیں تھیں مولیٰ اب وہ نہ رہیں۔۔۔ اب رات دن تیرا حکم ہے اور تعقل میں تیری مخلوق سے واسطہ رہتا ہے۔۔۔ وہ جو خلوت کے مزے تھے اور تعلق باللہ سے سرشار ماحول تھا، اس ماحول سے کٹ جانے کا بوجھ ہے۔ فرمایا: ووضعتنا عنک وزرک ہم نے آپ کا بوجھ اتار دیا۔ وہ بوجھ جلوت اور خلوت کے فرق تھے۔

تصوف میں تین مقامات

آئیے اس کو جاننے کے لئے تصوف کے کچھ مقامات کو سمجھتے ہیں، تصوف میں 3 مقامات آتے ہیں۔
 ۱۔ مقام تفرقہ ۲۔ مقام جمع ۳۔ مقام جمع الجمع
 ”تفرقہ“ سے مراد فرقہ بندی، تفرقہ بندی اور دھڑے بندی نہیں ہے۔ یہ تصوف کے احوال میں سے

اظہار تعزیت

گذشتہ ماہ محترم جلیل احمد ہاشمی (ریسرچ سکالر FMRI) کی والدہ محترمہ، محترم خالد اقبال حسینی (نائب ناظم تنظیمات) کی ساس، محترم محمد نعیم چودھری (صدر MWF۔ فرانس) کے چچا جان، محترم عطا الہی (کویت) کے والد محترم، محترم حاجی محمد شفیق (مسقط)، محترم بلال حسین (ناروے)، محترم ملک محمد امین اعوان اور محترم حاجی ملک محمد نسیم اعوان (آسٹریا) کے والد محترم، محترم علی احمد (UAE) کے بڑے بھائی، محترم مختار احمد قادری (ناظم TMQ۔ چنیوٹ) کے والد محترم، محترم حاجی محمد اختر (صدر TMQ تحصیل حضرو) کے والد محترم، محترم زرگام حیدر (پھالیہ) کی والدہ، محترم محمد رفیق میر (اگوکی۔ سیالکوٹ) کی اہلیہ، محترم اظہر محمود عمر (چکوال) کی والدہ اور محترم حافظ شاہد سہیل (گوجرانوالہ) کے چچا جان قضائے الہی سے انتقال فرما گئے ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ جملہ مرحومین کی بخشش و مغفرت فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل اور اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین

ہے۔۔۔ گفتگو، دھیان اللہ کے بندوں کی طرف رہتا ہے اور من، اللہ کے ساتھ رہتا ہے، یہ مقام جمع ہے۔
 جو اس ”مقام جمع“ میں کمال کو پائے تو پھر مقام ”جمع الجمع“ آجاتا ہے۔ الم نشرح لك صدرک میں سینہ اقدس کا کھولنا ”مقام جمع الجمع“ کی طرف اشارہ ہے۔ آپ ﷺ سے وہ بوجھ اس طرح اتارا کہ آپ کو مقام جمع الجمع پر فائز فرمادیا کہ محبوب ہمیں معلوم ہے کہ آپ کو غار حرا کی خلوتوں، تنہائیوں میں لطف آتا تھا۔۔۔ حرا کے اندھیروں میں مزہ آتا تھا۔۔۔ سرشاریوں کی کیفیت ہوتی تھی۔۔۔ محبوب! آپ نے میری خاطر وہ سرشاریاں چھوڑیں۔۔۔ آپ نے میرے حکم پر دوزخ کی طرف گرنے والی مخلوق کو بچایا اور ان کو راہ ہدایت دکھا کر جنت کی طرف لائے۔۔۔ میرے حکم کی خاطر آپ نے اپنی ذاتی لذتیں، کیف، سرور، مستیاں اور سرشاریاں چھوڑیں۔۔۔ اور آج کبھی طائف میں میری خاطر پتھر کھا رہے ہیں اور کبھی مکہ کی گلیوں میں لوگوں کے ظلم و ستم برداشت کر رہے ہیں۔۔۔ ہمہ وقت تعلق باللہ کی سرشاریاں اور مزے چھوڑنے کا بوجھ جو طبیعت میں رہتا ہے محبوب ہم نے آپ کا سینہ کھول کر ”جمع الجمع“ کا اب وہ مقام عطا کر دیا ہے کہ اب وہ بوجھ آپ پر نہ رہے گا بلکہ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ۔۔۔ ہم نے آپ کے لئے آپ کا سینہ کھول دیا ہے۔۔۔ اب آپ صحن حرم کے ہجوم میں رہیں یا مکہ کی وادیوں میں رہیں۔۔۔ شعب ابی طالب کی گھاٹیوں میں رہیں یا طائف کے بازاروں میں رہیں۔۔۔ اب آپ کا حال ہمہ وقت اسی طرح ہے جیسے تم دنی فسدلی فکان قاب قوسین او ادنیٰ کے مقام پر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے رتبہ کے مطابق آپ کو شرح صدر عطا فرمائی۔

شرح صدر مصطفیٰ اور شرح صدر اولیاء حضور ﷺ کے واسطے اور وسیلہ سے شرح صدر کا یہ فیض حضور ﷺ کے اولیاء، علماء اور صلحاء کو بھی نصیب ہے۔ ارشاد فرمایا:
 اَفَمَنْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ.
 ”بھلا، اللہ نے جس شخص کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیا ہو“۔ (الزمر: ۲۲)

ہم نے کبھی اس آیت کریمہ اور الم نشرح لك صدرک کے درمیان غور نہیں کیا۔ ان دونوں آیات مبارکہ میں ”صدرہ“ اور ”صدرک“ تک ایک چیز مشترک ہے اور وہ یہ کہ ایک طرف اللہ نے اپنے بندوں، ولیوں، عارفوں، اہل اللہ کا سینہ کھولا اور دوسری طرف حضور ﷺ کا سینہ اقدس بھی کھولا مگر ان دونوں انشراح صدر میں فرق ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ شرح صدر سے مراد وہی شرح صدر ہے جو اللہ پاک عطا فرمایا کرتا ہے۔ یعنی ولیوں، عالموں اور عارفوں کو ان کے مقام و مرتبہ کے مطابق عطا فرماتا ہے اور حضور ﷺ کو ان کے مقام و مرتبہ کے مطابق عطا فرمایا۔ یاد رکھیں یہاں اس سے مراد یہ نہیں ہے۔

یہ فرق، مدارج کا نہیں بلکہ فرق ماہیت ہے۔ مومنین، اولیاء، صلحاء اور عرفاء کے لئے فرمایا کہ ان کا سینہ کھولنا اسلام کے لئے ہے یعنی اسرار اسلام، معارف، علوم لدنی عطا فرمادیئے۔ سینہ کھل جانے کے بعد اب وہ جو کچھ بولتے ہیں وہ کتابوں میں نہیں ہوتا بلکہ وہ مالائے اعلیٰ سے آتا ہے۔ گویا جب آیت مبارکہ کی رو سے اسلام کے لئے سینہ کھولا جا رہا ہے تو اس کے معانی و مطالب کچھ اور ہیں۔ جب آقا ﷺ کی بات کی تو فرمایا: اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ۔ اسلام تو محبوب پہلے ہی آپ ﷺ کے لئے ہے۔ آپ ﷺ کا سینہ اسلام کے لئے کیا کھولنا

معراج ہے۔ وہ معراج جس کا ذکر قرآن و حدیث میں آیا، وہ امت کو بتانے کے لئے ہے۔ حضور ﷺ کی اپنی ذات کے لئے حضور ﷺ کا ہر لمحہ معراج ہے۔

اولیاء کے ہاں خسارہ کیا ہے؟

ولایت چونکہ توجہ الی اللہ کا نام ہے لہذا جن کے دل مولیٰ سے لگ اور جڑ جاتے ہیں ان کا دھیان اگر وہاں سے ہٹانا پڑے اور مخلوق کی طرف کرنا پڑے تو انہیں گوارہ نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ دنیا کا خسارہ ان کا خسارہ نہیں ہوتا۔ دنیا میں تو انہوں نے دل لگایا ہی نہیں، مال آیا تو خوشی نہیں، مال چلا گیا تو کوئی غم نہیں۔۔۔ اولاد مل گئی تو کوئی خوشی نہیں اللہ کا شکر ہے، نہ ملی تو غم نہیں ہوتا۔۔۔ یہ تو ہمارے دنیا کے دھندے ہیں۔ جن کے دل ادھر لگ جاتے ہیں ان کے یہ غم اور یہ سودو زیاں نہیں ہیں۔ ان کا خسارہ یہ ہے کہ دھیان ادھر سے ہٹ جائے۔ کسی کو فیض دینے کے لئے دھیان ادھر سے ہٹانا پڑتا ہے۔ پس اللہ والے جب کسی کو فیض دینے کے لئے اس پر دھیان دیتے ہیں تو کچھ دھیان تقسیم ہوتا ہے، اوروں کو فیض یاب کرنے کے لئے اپنا خسارہ برداشت کرتے ہیں، پس یہ ان کا ایثار ہے۔

یہاں ایک مجذوب کی مثال سے اس معاملہ کو مزید واضح کرتا ہوں۔ مولانا غوث محمد شاہ قلندر پانی پٹی نے بیان کیا ہے کہ میں نو عمر تھا اور اپنے شیخ کے ساتھ سفر پر کہیں جا رہا تھا۔ راستے میں جنگل کے اندر دو مجذوب اس حال میں لیٹے ہوئے دیکھے کہ ان کے اوپر آگ کے انگارے تھے مگر دونوں کے حال میں فرق تھا۔ آگ کی وجہ سے ایک کے کپڑے، گوشت پوست بھی جل گیا تھا اور خون اور چربی پیپ بن کر بہ رہے تھے جبکہ دوسرے مجذوب کے اوپر بھی آگ کے انگارے جل رہے تھے مگر جسم نے کیا جلنا، اُس کے تو کپڑے بھی سلامت تھے۔ میرے شیخ نے مجھ سے پوچھا: بیٹے بتاؤ ان دونوں میں سے زیادہ کامل ولی کون ہے؟ میں چھوٹا تھا لہذا میرا دھیان

ہم نے اسلام تو بنایا ہی آپ ﷺ کے لئے ہے۔۔۔ اسلام تو بننا ہی آپ ﷺ کے چلن سے ہے۔۔۔ اسلام تو بننا ہی آپ ﷺ کے بچپن سے ہے۔۔۔ آپ ﷺ جو کہہ دیتے اور کر دیتے ہیں وہی اسلام ہے۔۔۔ جس کو تک لیتے ہیں اور جس کو ”ہاں“ کر دیتے ہیں یا ”نہیں“ کر دیتے ہیں وہ اسلام ہے۔۔۔ آپ ﷺ کا سینہ اسلام کے لئے کیا کھولنا ہے بلکہ آپ ﷺ کے زبان کے کھلنے کو تو خود اسلام تکتار ہتا ہے۔

حضور ﷺ کا سینہ کھلنے کا ذکر فرمایا کہ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ. آپ ﷺ کا سینہ آپ ﷺ کے لئے کھولا۔ مطلب ہے کہ کوئی آپ ﷺ کی ذاتی ضرورت اور ذاتی مسئلہ تھا جس کے لئے آپ ﷺ کا سینہ کھولا۔ وہ ذاتی ضرورت اس کے سوا کیا ہو سکتی ہے کہ حضور ﷺ فرما رہے ہیں کہ مولیٰ تیرے حکم کی تعمیل میں پھرتا ہوں مگر وہ مخلوق کی سرشاریاں نہ رہیں۔

دل ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن بیٹھے رہیں تصورِ جانان کئے ہوئے

وہ جو لذتیں، سرشاریاں اور تنہائیاں تھیں، وہ نہ رہیں۔ اب کبھی ابو جہل کو سمجھانا اور کبھی ابولہب بد بخت کو سمجھانا۔۔۔ مولیٰ میں ان سے گھبراتا نہیں ہوں۔۔۔ میں خوش ہوں، تیرے حکم کی تعمیل ہے۔۔۔ مگر یہ کہ من کی وہ سرشاریاں جو غار میں ملتی تھیں اب وہ مواقع نہ رہے۔۔۔ اللہ نے فرمایا: محبوب ﷺ ہم نے ”جمع الحج“ کا مقام دے کر آپ کا بوجھ اتار دیا۔ اب آپ ساری زندگی مخلوق میں گزاریں مگر آپ کا حال وہی رہے گا جو قاب قوسین پر بیٹھنے میں ہے۔۔۔ اب آپ کا حال غار والے حال سے بھی اونچا ہو گیا۔۔۔ غار کیا تھی وہ تو بعثت سے پہلے کی سرشاریاں تھیں، اب آپ کو وہ سرشاریاں دیتے ہیں جو ثَمَم دنی فسندلی فسکان قاب قوسین او ادنی پر میسر تھیں۔۔۔ اس لئے اب آپ ﷺ کی زندگی کا ہر لمحہ

فوری کرامت کی طرف گیا۔

یہ مجذوب مثال کی ہے مگر اس سے مسئلہ آسانی سے سمجھ آتا ہے کہ اولیاء اللہ جب کسی کو فیض دیتے ہیں تو وہ بہت بڑی قربانی ہوتی ہے مگر کسی کو کیا خبر؟۔۔۔ لینے والے نے سمجھا کہ میرا حق تھا لہذا میں لے لیا۔۔۔ معلوم نہیں کہ انہوں نے کتنی قربانی سے فیض دیا اور توجہ کی۔ کئی اولیاء ایسے ہوتے ہیں کہ وصال کے بعد توجہ مخلوق کی طرف نہیں رکھتے، مالائے اعلیٰ کی طرف کر لیتے ہیں اور پھر ان کی قبور سے فیض نہیں ملتا، آنے والے کو ثواب ملتا ہے مگر وہ توجہ نہیں کرتے چونکہ توجہ مالائے اعلیٰ کی طرف رکھتے ہیں جبکہ کئی اولیاء کمال اونچے درجے پر فائز ہوتے ہیں، جنہیں عمر بھر قربانی کی عادت پڑی رہتی ہے۔ وہ بعد از وصال بھی ایثار کرتے رہتے ہیں۔ وہ بعد از وصال مالائے اعلیٰ کی طرف مست بھی رہتے ہیں اور ہر آنے والے کو بقدر نصیب اس کا حصہ بھی دیتے رہتے ہیں۔

اسی لئے حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت ابراہیم بن ادھم کو فرمایا کہ اسم اعظم یہ ہے کہ ہر حال میں اللہ کی رضا کو لباس بنالے۔۔۔ اور اللہ کی محبت کو اس لباس کا جبہ اور زینت بنالے۔۔۔ اور اللہ کے لئے ایثار کرنا، قربانی دینا، شعار بنالے۔۔۔

قربانی اور ہمارا طرزِ عمل

کارکنانِ تحریک غور کریں کہ قربانی صرف جان کی ہی قربانی نہیں ہوتی بلکہ جان، مال، وقت، خواہشات، توجہ الغرض ہر شے کی قربانی ہوتی ہے۔ کتنے لوگ ہیں جو رفاقت کا نام لیتے ہیں اور وحسن اولئک رقیقا کے مصداق اچھے رفیق بننا چاہتے ہیں مگر وقت کاروبار کو دیتے ہیں۔۔۔ روزگار اور مال و دنیا کمانے کو وقت دیتے ہیں۔۔۔ بیوی بچوں کو وقت دیتے ہیں۔۔۔ کیا وہ اس تناسب سے وقت آقا ﷺ کے دین کو زندہ کرنے کے لئے دیتے ہیں؟۔۔۔ دین نبوی ﷺ، دین محمدی ﷺ پر کافروں، منافقوں، فاسقوں، حکمرانوں، مکاروں، عیاروں،

جس طرح ہم کمال، کرامت کو ہی سمجھتے ہیں اور ہمارا سارا دھیان کرامت ہی کی طرف ہوتا ہے جبکہ اولیاء اللہ کو جتنی حیا ظہور کرامت میں آتی ہے اتنی حیا عورت کو اپنے مخصوص ایام میں نہیں ہوتی۔ اولیاء اللہ کرامت ظاہر کرنے سے ایسے گھبراتے ہیں جیسے عورتیں ہر مہینے کے ایام میں گھبراتی ہیں۔ جو اولیاء کرامت ظاہر کرتے ہیں وہ کسی اذن الہی اور حکمت کی وجہ سے کرتے ہیں، کثرت سے ظاہر کرے یا قلت سے وہ امر الہی سے ظاہر کرتے ہیں مگر ان کی طبیعت ظہور کرامت کو نہیں چاہتی، گریزاں ہوتی ہے۔

وہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ جس کے کپڑے بھی نہیں جلے یہ بڑا ولی اور بڑا کامل ہے۔۔۔ شیخ مسکرا پڑے اور فرمایا: نہیں بیٹے، جس کے کپڑے بھی نہیں جلے یہ حالت جذب میں ناقص ہے اور جس کے کپڑے بھی جل گئے اور جسم سے خون اور پیپ بہہ رہا ہے وہ اپنے جذب میں کامل ہے۔۔۔ میں نے پوچھا: کیسے؟۔۔۔ فرمانے لگے: آگ کا کام جلانا ہے، ایک مجذوب پر آگ جل رہی ہے مگر اسے جلا نہیں رہی، گویا کوئی ایسی چیز ہے جو اس آگ کو جلانے سے روکے ہوئے ہے۔ یہ چیز اس کی توجہ ہے جو آگ کو جلانے نہیں دیتی جبکہ دوسری طرف سب کچھ جل گیا ہے، اس کا مطلب ہے کہ آگ اپنا کام کئے جا رہی ہے اور اس مجذوب نے اپنی توجہ اس کو جلانے اور روکنے کی طرف نہیں کی بلکہ اپنی توجہ کو اپنے مولیٰ ہی کی طرف مبذول کئے رکھا۔ جو مجذوب توجہ کر کے آگ کو جلانے سے روک رہا ہے اس کا جذب ناقص ہے کیونکہ کچھ توجہ اس کی اللہ کی طرف ہے اور کچھ اپنے جسم کو بچانے کی طرف ہے، اسی لئے تو جسم بچ رہا ہے۔ اس کی توجہ ابھی مٹی ہوئی ہے، سو جذب ناقص ہے۔ دوسرے کی جذب کامل ہے کہ اللہ کی طرف توجہ میں اتنا جاذب ہو چکا ہے کہ خود جل گیا، چربی پگھل گئی مگر اس کو ہوش بھی نہیں ہے کیونکہ توجہ ادھر اتنی جذب ہو گئی کہ اپنا ہوش نہ رہا۔

اللہ عنہا نے فرمایا: اس امت نے حضور ﷺ کو کمزور کر دیا ہے۔ امت نے حضور ﷺ کو اس حال میں پہنچا دیا کہ آپ ﷺ نوافل کے لئے کھڑے نہیں ہو سکتے۔۔۔

تین سال تک حضور ﷺ اپنے خانوادہ کے ساتھ شعب ابی طالب میں قید رہے، کیا وہ حکومت و سلطنت چاہتے تھے۔۔۔؟ قریش تو سلطنت دینے کو تیار تھے، کہتے تھے کہ دین کی دعوت چھوڑ دو اور جو چاہتے ہو وہ لے لو۔ مگر آپ ﷺ نے انکار کر دیا اور دعوت دین کو جاری رکھا۔ دعوت دین کی خاطر پیغمبروں کو آرے سے چیرا گیا۔۔۔ ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے۔۔۔ کسی کا جسم کہاں اور ہاتھ کہاں ہے۔۔۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کا جسم دمشق میں اور ہاتھ بیروت میں دفن ہے۔۔۔ کربلا میں 72 سروں کو جسم سے جدا کیا گیا۔ یہ سب کچھ دین حق کی دعوت کے لئے قربانیاں تھیں۔ کیا ہم بھی اس قابل ہیں کہ ان برگزیدہ ہستیوں کو منہ دکھا سکیں کہ حضور ﷺ کے دین کے فروغ اور احیاء و اقامت کے لئے ہم نے کیا کیا۔۔۔؟

امام احمد بن حنبلؒ وصال کے بعد کسی کو خواب میں ملے، پوچھا اللہ نے آپ کے ساتھ کیا کیا؟ فرمایا: مجھے قریب کر کے پوچھا: کیا تو نے میرے لئے ماریں کھائی تھیں۔۔۔ عرض کیا: جی مرے مولا۔۔۔ فرمایا: آج ان کوڑوں کا صلہ لو۔۔۔ فرشتو! پردہ درمیان سے ہٹا دو، احمد بن حنبلؒ آج بھر کر میرا مکھڑا تک لے۔ یہ اجر و ثواب تکالیف سے ملتے ہیں۔۔۔ دعوت حق سے ملتے ہیں۔۔۔ عبادت، صالحیت، تقویٰ، پرہیزگاری اور اخلاص سے یہ چیزیں نصیب ہوتی ہیں۔ کارکنوں! خدمت دین کا جذبہ لے کر اٹھو اور مرتے دم تک لمحہ لمحہ اس مشن کی سرشاری میں بسر کرو۔ اگر اللہ کی رضا، محبت اور ایثار و قربانی کو اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنالیا جائے تو پھر

تفضل اللہ تعالیٰ علیہم لیس کتفضلہ علی

غیر ہم۔

اللہ کا ایسے لوگوں پر اتنا فضل ہوتا ہے کہ ساری کائنات میں اتنا فضل کسی پر نہیں ہوتا اللہ ان سے راضی ہو جاتا ہے۔

بے شرموں اور بے حیاءوں کے ہر سمت سے حملے ہیں۔۔۔ غیرت دین نکالی جا رہی ہے۔۔۔ اقدار دین مسمار کی جا رہی ہیں۔۔۔ لوگوں کو دین کے شعار سے ہٹایا جا رہا ہے۔۔۔ حکمران بے حمیت اور بے غیرت ہو گئے ہیں۔۔۔ سیاستدانوں کے اندر دین و ایمان کی رتق نہیں رہی۔۔۔ یہ دنیا حقیر اور ذلیل بھی ہے اور اتنی لذیذ بھی ہے کہ جس کے منہ کو لگ جائے وہ ایک رتی بھی اس میں سے نہیں چھوڑتا۔ جبکہ دوسری طرف یہ دین قربانی مانگتا ہے۔۔۔ مالداروں سے مال کی قربانی کہ وہ مال کا کتنا حصہ اللہ کے دین کی اقامت کے لئے خرچ کرتے ہیں۔۔۔؟ پوچھا جائے گا اپنے مال کا کتنا حصہ اپنے قریبی رشتہ داروں، غریبوں، محتاجوں اور ضرورت مندوں پر خرچ کرتے تھے۔۔۔ آج حضور ﷺ کا دین پکار رہا ہے کہ وقت کا کتنا حصہ اس دین کو دیتے ہو۔۔۔؟

تحریک کی رفاقت کا مقصد اقامت و احیاء دین ہے۔ تحریک کی رفاقت کا حصول میرے ہاتھ چومنے کے لئے نہیں ہے، میرے ہاتھ چومنے کا کیا فائدہ؟ میں اس قابل نہیں ہوں۔ کیا ہاتھ چومنے سے دین زندہ ہو جائے گا۔۔۔؟ میرے نام کے نعروں سے کیا دین زندہ ہو جائے گا۔۔۔؟ دین کی اقامت و احیاء کے لئے دین عملی قدم چاہتا ہے۔ سوچنا ہوگا کہ کارکن روزانہ مشن کو کتنا وقت دیتے ہیں۔۔۔؟ کتنا مال دین کے احیاء اور فروغ کے لئے خرچ کرتے ہیں۔۔۔؟ دین کی اقامت کے لئے جان کو کتنی تکلیف دیتے ہیں۔۔۔؟ دین کے لئے کتنا جاگتے ہیں۔۔۔؟ حضور ﷺ ساری زندگی دین کے لئے جاگے اور مشکلات و صعوبتوں کو برداشت کیا۔ ہم سے بھی حساب لیا جائے گا کہ ہم نے اپنی نبی ﷺ کی اس سنت پر کتنا عمل کیا۔

مجھے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ایک جملہ آبدیدہ کر دیتا ہے کہ جب آقا ﷺ کے جسم اطہر میں ظاہری کمزوری آگئی اور آپ ﷺ نوافل بیٹھ کر پڑھنے لگے تو ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی

روزہ

روح کی غذا اور باطن کا نور

علامہ محمد معراج الاسلام

ہر قسم کے گناہوں سے پاک کر دیا جاتا ہے؟
اس دنیا میں ایسے خوش خصال، نیک نہاد،
صاف باطن اور پاکباز لوگ بھی بستے ہیں جو طبعی طور پر
گناہوں سے نفرت کرتے اور نیکی پسند کرتے ہیں۔
گناہوں کی غلاظت سے لتھڑنا تو کجا رہا اس کے تصور ہی
سے بدکتے اور کراہت کرتے ہیں۔ وہ اگر روزہ رکھیں تو
ان کے گناہوں کے معاف ہونے کا کیا مطلب ہے؟
روزے سے گناہ کیوں اور کیسے مٹتے ہیں؟ آخر اس میں
گناہوں کو جلانے والی کونسی خاصیت ہے اور جس روزے
سے گناہ مٹتے، جلتے اور معاف ہوتے ہیں کیا وہ یہی روائی
روزہ ہے یا اس کی حقیقت و اصلیت کچھ اور ہے؟

یہ اور اسی قسم کے کچھ اور بھی اہم سوالات ہیں جن
کا کسی حد تک جواب ضروری ہے تا کہ اصلی اور حقیقی روزے کا
ایک تصور ذہن میں آجائے اور پتہ چل جائے کہ محض بھوک
اور پیاس برداشت کرنے کا نام ہی روزہ نہیں ہے بلکہ اس کی
اصلیت کچھ اور ہے اور جب روزہ ان آداب و شرائط کے ساتھ
رکھا جائے اور اس کے تمام تقاضے پورے کئے جائیں تو وہ نہ
صرف گناہوں کو مٹاتا ہے بلکہ انسانی روح کی غذا بھی بنتا ہے
- یہ بات اگرچہ ایک سطحی ذہن کے آدمی کے لئے بڑی عجیب
سی ہے لیکن کائنات اور مخلوقات میں تھوڑا تفکر اس بدیہی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور
رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:
مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَ اِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ
ذَنْبِهِ.
”جو شخص ایمان دار ہونے کی حالت میں اور
خلوص نیت کے ساتھ رمضان المبارک کے روزے رکھے،
اس کے تمام سابقہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔“

شرح و تفصیل

روزہ کیا ہے؟

اس حدیث پاک میں یہ بتایا گیا ہے کہ روزہ
رکھنے سے گناہ مٹتے ہیں اور گنہگار انسان گناہوں کی گندگی
سے پاک ہو جاتا ہے۔ روزہ جہاں انسان کیلئے ایک عراز
ہے وہاں روزے کی بہت بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ اپنی
فضیلت و اہمیت کے ساتھ ساتھ ایک گنہگار انسان کی
ضرورت بھی ہے۔ مذکورہ حدیث میں روزہ کے متعلق اطلاع
و وضاحت کے ساتھ ہی بہت سے سوالات بھی ذہن میں
ابھر آتے ہیں کہ اگر روزہ رکھنے سے گناہ معاف ہو جاتے
ہیں تو وہ کونسے گناہ ہوتے ہیں؟ آیا صغیرہ گناہ ہی معاف
ہوتے ہیں یا کبیرہ بھی معاف ہو جاتے ہیں؟ اور کیا انسان کو

حقیقت کو سمجھنے کیلئے کافی ہے۔ اس لئے ہم اس خصوصی مضمون میں اسی نکتے سے آغاز کرتے ہیں۔

مخلوقات کا تنوع اور اس کی مختلف غذائیں

اگر ہم پانیوں میں تیرنے، ہواؤں میں اڑنے اور میدانی و پہاڑی علاقوں اور جنگلوں بیابانوں میں رہنے والی مخلوق کے بارے میں سوچیں تو پتہ چلتا ہے کہ جہاں ان کے اجسام، قد و قامت، ہیئت و ترکیب اور ڈیل ڈول میں نمایاں فرق ہے، وہاں ان کے طبائع اور مزاج میں بھی واضح اختلاف موجود ہے مثلاً

۱۔ شیر گوشت خور درندہ ہے، شکار کرنا، خون پینا اور گوشت کھانا اس کی فطرت میں داخل ہے۔ وہ چارہ، گھاس اور اناج کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا، اگر بھوک سے نڈھال ہو اور خالی پیٹ ہونے کی وجہ سے اس کی جان نکل رہی ہو اور ایسے موقع پر اس کے سامنے ریلے پھلوں کا ڈھیر لگا دیا جائے اور سیب، آم، تربوز اور خربوزے وغیرہ اس کے ارد گرد چن دیئے جائیں تو وہ پھر بھی انہیں کھانا گوارا نہیں کرتا کیونکہ انہیں کھانا اس کی فطرت ہی میں داخل نہیں۔

۲۔ اس کے برعکس گائے، بھینس، بکری چارہ کھانے والے جانور ہیں۔ گوشت ان کی خوراک نہیں۔ اگر انہیں مرغ، بٹیر، تیز اور ہرن کا گوشت پیش کر دیا جائے تو وہ اسے نہیں کھا سکیں گے خواہ بھوک سے ان کی جان نکل جائے۔ وجہ یہی ہے کہ فطرتاً گوشت ان کی خوراک نہیں۔

۳۔ اسی طرح ہاتھی گنا بڑی رغبت سے کھاتا ہے، شہد کی مکھی پھولوں کا رس پسند کرتی ہے اور ریشم کا کیڑا شہتوت کھاتا ہے کیونکہ یہ ان کی مرغوب غذائیں ہیں۔ جس مخلوق کی جو غذا ہو اگر اسے وہ نہ دی جائے تو وہ مر جاتی ہے۔ مچھلی پانی میں جیتی ہے، خشکی میں مر جاتی ہے۔ سرکہ میں پیدا ہونے والا کیڑا سرکہ ہی میں زندہ رہتا ہے باہر

نکالا جائے تو مر جاتا ہے اور باہر کا کیڑا سرکہ میں ڈال دیا جائے تو مر جاتا ہے کیونکہ وہ اپنی فطری اور اصلی خوراک سے محروم ہو جاتا ہے۔

۴۔ اسی طرح انسان بھی اس عظیم کائنات کی ایک ممتاز اور باشعور مخلوق ہے جس کے دو حصے ہیں:

۱۔ ”جسم“۔ جو نظر آتا ہے۔

۲۔ ”روح“۔ جو نظر نہیں آتی۔

(الف) جسم کی اپنی خوراک ہے جو مختلف غذائی اجزاء سے مرکب ہوتی ہے۔ اس میں وٹامن، لحمیات، فولاد اور کیشیم وغیرہ پائے جاتے ہیں۔ اگر کسی چیز کی کمی بیشی ہو جائے تو جسم خراب اور بیمار پڑ جاتا ہے اور اگر یہ خوراک ملنی بند ہو جائے تو ختم ہو جاتا ہے یعنی مر جاتا ہے۔

(ب) اسی طرح روح کی بھی اپنی مخصوص خوراک ہے۔ اگر وہ کم ملے تو روح بھی بیمار اور معذور و کمزور ہو جاتی ہے اور مضحل ہو کر جسم کے پنجرے میں بند ہو جاتی ہے جیسے کسی مریل پرندے کے ”پر“، نوچ کر اسے پنجرے کے ایک کونے میں پھینک دیا گیا ہو۔

روح کی خوراک، جسم کی خوراک سے بالکل مختلف ہے۔ جس خوراک سے جسم کی تعمیر ہوتی ہے اور وہ بڑھتا، پھولتا اور پلتا ہے، اسی سے روح کی تخریب اور شکست و ریخت ہوتی ہے یعنی وہ گھٹتی، گرتی اور کمزور ہوتی ہے۔ جس طرح ایک ذہن ترین طالب علم، حصول علم کی طرف توجہ دیتا ہے اور دنیا جہان کے علوم اپنے دماغ میں سمیٹ لیتا ہے اور عملی میدان میں اتنی ترقی کرتا ہے کہ اس کی فکر رسا افلاک کی پہنائیوں کو ماپنے لگ جاتی ہے اور عقل گرہ کشا اور پیچیدہ و لائجل مسائل کی گتھیاں سلجھانے لگ جاتی ہے مگر اس کا جسم دبلا، پتلا ہی رہتا ہے۔ دوسری طرف ایک پہلوان، علم و عقل کی طرف نہیں بلکہ تن پروری

کے لئے وہ خوراک اتنی ہی زیادہ طاقتور ہوتی ہے۔
 بظاہر یہ بڑی عجیب سی بات ہے لیکن حقیقت یہی
 ہے کہ بھوک روحانی اور نورانی خوراک ہے کیونکہ مادی خوراک
 سے مادی قوت پیدا ہوتی ہے جو شہوانی نشے اور خمار کی شکل
 میں رگ رگ میں دوڑ جاتی ہے اور انسان کو بندہ ہوس بنا دیتی
 ہے۔ وہ تسکین ہوس کیلئے ایسی بے ہودہ تدبیریں سوچنے
 اور وحشیانہ حرکتیں کرنے لگ جاتا ہے جو واہیات، مکروہ اور
 اخلاق سوز ہی نہیں بلکہ خلاف انسانیت بھی ہوتی ہیں۔

اس کے برعکس بھوک سے جسم نڈھال ہو جاتا
 ہے، کوئی شہوت انگیز قوت جنم نہیں لیتی اور نہ ہی طبیعت پر
 کوئی خمار طاری ہوتا ہے۔ جسم ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے اور اس
 پر کسل مندی اور تھکاوٹ طاری ہو جاتی ہے۔ وہ نقاہت،
 ناتوانی اور انتہائی کمزوری محسوس کرتا ہے اور گناہ کیلئے دل میں
 کوئی امنگ اور جذبہ نہیں پاتا۔ یہی کیفیت وہ خوراک ہے جو
 روح کو تازگی اور توانائی بخشتی ہے اور اسے قوت و طاقت کا
 پہاڑ اور عظمت کا آسمان بنا دیتی ہے۔ اس بھوک کا دورانیہ
 جتنا لمبا ہو اسی قدر یہ خوراک بھی زیادہ اعجازی اثر کی حامل
 (HIGH POTENCY) اور قوی ہو جاتی ہے۔

ہمیشہ کھانے کا عادی اور مسلسل کھانے پینے اور
 چرنے میں مصروف رہنے والا شخص، فاقہ کشی اور بھوک
 برداشت نہیں کر سکتا اور نہ اس حقیقت پر ایمان لاسکتا ہے
 کہ ایک انسان مسلسل کئی کئی روز تک بھوکا بھی رہ سکتا
 ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری روہیں جسموں کے پنجرے میں
 کمزور و ناتواں پڑی ہوتی ہیں کیونکہ بھوک کی لذت سے
 ارادی طور پر کبھی آشنا ہونے کی کوشش ہی نہیں کی اور نہ ہی
 یہ پتہ ہے کہ بھوک ایک روحانی خوراک ہے۔ اس کی
 روحانیت، نورانیت اور غذائیت سے ہم قطعی ناواقف ہیں۔
 حضور سیدنا داتا گنج بخش علی ہجویری رضی اللہ عنہ

(Body Building) کی طرف توجہ دیتا ہے۔ طاقتور
 اور روغنی غذائیں کھاتا ہے اور جسم کو پالتا ہے وہ پل کر
 جوان ہو جاتا ہے، قد آدھڑ نکلتا ہے، چپتے کی طرح لپکتا اور
 شیر کی طرح جھپٹتا ہے مگر فکر و شعور کے اعتبار سے وہ ایک
 ننھے بچے کی طرح ہوتا ہے۔ اس کی عقل نہیں بڑھتی اور علم
 میں وسعت و بلندی پیدا نہیں ہوتی۔

گویا پہلوان کا صرف جسم پرورش پاتا ہے۔ اسی
 تناسب سے علم میں وسعت پیدا نہیں ہوتی اور طالب علم کی
 عقل ترقی کرتی ہے لیکن اسی تناسب سے جسم نہیں بڑھتا۔
 اسی طرح جب جسم بڑھتا، پھولتا، پلٹا اور بڑھتا ہے تو روح
 کمزور و ناتواں ہوتی ہے اور جب روح طاقتور ہوتی اور پھلتی
 پھولتی ہے تو جسم کمزور و ناتواں ہو جاتا ہے کیونکہ جسم اور روح
 کی غذا ایک دوسرے کی غذا سے قطعی مختلف ہے۔ جو غذا جسم
 کو پالتی ہے، وہ روح کو کمزور کرتی ہے اور جو غذا روح کو
 پالتی اور قوت دیتی ہے وہ جسم کو گھلاتی اور کمزور کرتی ہے۔

روح کی غذا کیا ہے؟

یہ ایک دلچسپ صورتحال ہے جسے مادہ پرست
 ذہن نہیں سمجھ سکتا۔ جسم کی غذا لحمیات، روغنیات، حیاتیات،
 نشاستہ، شکر، وغیرہ پر مشتمل گوشت، مچھلی، انڈہ، روٹی، چاول،
 دودھ اور سبزی و پھل وغیرہ کی شکل میں ہوتی ہے جس سے
 وہ اپنی ضرورت کے مطابق اور بعض اوقات زیادہ کھا کر
 زائد از ضرورت توانائی (ENERGY) حاصل کرتا ہے
 اور پرورش پاتا ہے۔

گویا جسم کی خوراک، یہ سب کچھ کھانا اور خوب
 ٹھونس ٹھونس کر کھانا ہے لیکن اس کے برعکس روح کی
 خوراک نہ کھانا بلکہ بالکل نہ کھانا ہے۔ دوسرے لفظوں میں
 روزہ رکھنا یا بھوکا رہنا ہے۔ گویا ”بھوک یا روزہ“ روح
 کی خوراک ہے۔ بھوک کی مدت جتنی لمبی ہوتی ہے روح

نے کشف المحجوب شریف میں ایک حدیث ذکر فرمائی ہے جس میں بھوک کے غذا ہونے کی صراحت ہے۔ ارشاد ہے:

الجوع طعام الله في الارض.

”بھوک، زمین پر اللہ تعالیٰ کا کھانا ہے۔“

چنانچہ یہ کھانا کھانے والے بے شمار اولیاء کرام گذرے ہیں جو مسلسل بھوکے رہ کر روح کو یہ نورانی خوراک مہیا کیا کرتے تھے۔ چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔

☆ حضرت سہل بن عبداللہ تستری رضی اللہ عنہ پندرہ دن بعد معمولی سی خوراک تناول فرماتے تھے اور رمضان المبارک میں پورا مہینہ کچھ نہیں کھاتے تھے لیکن اس طویل فاقہ کشی سے ان کے جسم پر کسی قسم کی کمزوری کا اثر نمایاں نہیں ہوتا تھا۔ اسی حالت میں ہر روز چار سو رکعات نوافل ادا فرمایا کرتے تھے۔

☆ حضرت ابراہیم بن ادھم رضی اللہ عنہ کا بھی یہی معمول تھا کہ رمضان المبارک کے پورے مہینے میں کچھ نہیں کھاتے تھے۔ سخت گرمی کے موسم میں روزہ رکھ کر گندم کی کٹائی کرتے تھے۔ اجرت میں جو کچھ ملتا، وہ غرباء و مساکین میں تقسیم فرما دیتے اور اتنی محنت و مشقت کے باوجود ساری ساری رات عبادت میں مشغول رہتے تھے۔

☆ بغداد شریف کی مسجد شو نیر یہ اہل دل کے حوالے سے مشہور تھی۔ وہاں تقویٰ پسند پاک باطن اور صفا پیشہ اولیاء کی خاصی تعداد ہمیشہ معتکف رہتی تھی۔ کسی معمولی مقام و مرتبے والے شخص کے لئے وہاں قیام کرنا ممکن ہی نہیں تھا۔ ایک موقع پر رمضان المبارک کے شروع ہوتے ہی وہاں حضرت ابو نصر سراج رضی اللہ عنہ آگئے۔ ان کی علمیت و بزرگی اور روحانی فضل و شرف کے اعتراف کے طور پر اہل دل کی جماعت نے یہ درخواست کی کہ وہ امامت کے فرائض سنبھالیں اور رمضان المبارک کی راتوں

میں نماز تراویح پڑھائیں۔ آپ نے یہ درخواست قبول کی اور تراویح پڑھانے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ پورے رمضان المبارک میں آپ نے پانچ قرآن پاک ختم کئے۔ خادم روزانہ ایک روٹی کمرے میں رکھ جاتا تھا۔ ماہ مبارک ختم ہونے کے بعد جب آپ تشریف لے گئے تو خادم نے جا کر دیکھا تو تیس روٹیاں اسی طرح کمرے میں پڑی ہوئی تھیں۔

☆ بعض اولیاء کرام چالیس روز بعد ایک مرتبہ کھانا کھاتے تھے۔ ان کا موقف یہ تھا کہ اصل بھوک چالیس دن بعد ہی لگتی ہے۔ جان بچانے کیلئے چالیس روز بعد کھالینا کافی ہے۔ اس سے پہلے کھانا محض تکلف، فضول خرچی اور عیاشی ہے۔ یہ حیران کن فرمودات، ان لوگوں کے ہیں جو میدان معرفت کے شہسوار ہیں اور ان کا کوئی ثانی نہیں اور نہ ہی ہر انسان یہ مقام حاصل کر سکتا ہے۔ تاہم اس سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ

اتنی ”لمبی بھوک“ برداشت کر لینا ممکن ہے۔ اور یہ کہ بھوک واقعی ایک قسم کی خوراک ہے جس کی نوعیت ہم نہیں سمجھ سکتے۔ اور اس سے مطلوبہ نتائج حاصل ہوتے ہیں اور یہ کائنات کی ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے۔

بھوک نور ہے

بھوک سے جسم کو جس ناتوانی اور کمزوری کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ کوئی سربستہ راز نہیں اس کا تجربہ ہر شخص کو ہے اور اگر نہیں تو وہ کچھ دیر بھوکا رہ کر تجربہ کر سکتا ہے۔ ایسی بھوک اضطراری نوعیت کی ہوتی ہے جو غیر ارادی طور پر انسان پہ طاری ہوتی ہے اور وہ بے قرار ہو کر اس کے ازالے کی فکر میں لگ جاتا ہے اور ایسی تدبیریں کرنے لگ جاتا ہے جن کی بدولت اسے چھٹکارا نصیب ہو۔ جب تک بھوک لگی رہے وہ بے قرار، پریشان اور

انتہائی مضطرب رہتا ہے، اسے چین تب نصیب ہوتا ہے جب کچھ کھا کر تسکین حاصل کر لیتا ہے۔

سکتا ہے اور اگر ایسا کرے تو اس کی توانائیاں کیسے قائم رہ سکتی ہیں؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ انسان خاک کا پتلا ہے اس کا جسمانی نظام اس نوعیت کا ہے کہ جو کچھ بھی کھائے، اس سے قوت حاصل کر کے چند گھنٹوں بعد اسے فضلہ کی شکل میں خارج کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے ایسے نظام میں نور پیدا ہونے کے امکانات وقوع نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اس لئے کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ اس قسم کا نور انسان میں پیدا ہو جاتا ہے۔

بھوکا رہنا توانائیوں کو زائل نہیں کرتا

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ: بھوکا رہنے سے توانائیاں زائل نہیں ہوتیں کیونکہ بھوک بذات خود ایک نورانی خوراک ہے اور خوراک کی موجودگی میں ناتوانی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس صورت میں ذکرِ الہی انسان کی خوراک بن جاتا ہے۔ چنانچہ جس طرح فرشتے اس سے خوراک حاصل کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ پاکیزہ انسان بھی اس سے قوت حاصل کرنے لگ جاتا ہے اور کسی قسم کی کمزوری محسوس نہیں کرتا۔ نیچے دوسرے سوال کے جواب کے ضمن میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔

خاکی، نوری کیسے بن سکتا ہے؟

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ انسان کے جسمانی نظام میں تغیر ممکن ہے۔ قدرتِ خداوندی، انعام کے طور پر اس کے جسمانی نظام کو نورانی نظام میں بدل دیتی ہے۔ جس طرح بھینس اور بکری چارہ کھاتی ہے مگر قدرت اسے شفاف دودھ میں بدل دیتی ہے، مکھی کے چوسے ہوئے رس کو شہد میں بدل دیتی ہے، ہرن کی کھائی ہوئی گھاس کو مشک میں بدل دیتی ہے اور ریشم کا کیڑا شہتوت کھاتا ہے قدرت ربانی اسے تارِ ریشم میں بدل دیتی ہے۔ اسی طرح انسان مرتضیٰ جب غذا کھاتا ہے تو وہ اس

ایسی غیر اختیاری بھوک کوئی حیثیت نہیں رکھتی اور نہ ہی یہ کسی پوشیدہ خزانے کی کلید ہے۔ اس قسم کی بے قرار کرنے والی بھوک تو جانوروں کو بھی لگتی ہے چنانچہ ایسی حالت میں وہ کچھ کھانے کیلئے بے قرار ہو جاتے ہیں، بولتے اور فریاد کرتے ہیں۔ چین سے تب کھڑے ہوتے ہیں جب سامنے چارے اور گھاس کا ڈھیر لگ جاتا ہے۔ ایسی بھوک میں انسان کیلئے کوئی روحانی افادیت نہیں۔ نہ ہی اس سے دل کی کشادگی حاصل ہوتی ہے۔ اس مقصد کیلئے مفید اور نور عطا کرنے والی وہ بھوک ہے جو از خود اپنے اوپر طاری کی جائے اور نفس کی اصلاح اور شہوات کا زور توڑنے کیلئے تمام آداب اور ضوابط سمیت برداشت کی جائے جس میں صرف پیٹ ہی بھوکا پیاسا اور روزے دار نہ ہو بلکہ حواسِ خمسہ اور باقی اعضاء بھی روزے دار ہوں اور ان پر احتساب و نگرانی کے پہرے بیٹھے ہوں۔ اسی قسم کی بھوک کی طرف اشارہ کرنے کیلئے حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ نے کشف المحجوب شریف میں ایک حدیث پاک ذکر فرمائی ہے۔

اجیعوا بطونکم و اظمؤوا اکبادکم
واعروا اجسادکم لعل قلوبکم تری اللہ عیاناً فی
الدنیا۔

”اپنے شکموں کو بھوکا رکھو، اپنے جگر وں کو پیاسا رکھو، اپنے جسموں کو تنگ رکھو (بناؤ سنگھار سے خالی رکھو) تا کہ (تمہارے دل اتنے منور ہو جائیں) دنیا ہی میں اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلیات کو اعلانیہ دیکھ سکیں۔“

کسی ظلمت زدہ ذہن میں یہ سوال جنم لے سکتا ہے کہ انسان خوراک کا محتاج ہے، عرصہ دراز تک کیسے بھوکا رہ

تھے۔ لوگ ان کی نورانی صحبت سے بے پناہ فیوضات حاصل کیا کرتے تھے۔ ایک کا اسم گرامی شیخ مسعود اور دوسرے کا بوعلی تھا۔ حضرت شیخ مسعود نے ایک روز پیغام بھیجا کہ آئیے! اپنی اپنی روحانی طاقت آزماتے ہیں۔ صورت یہ ہوگی کہ ایک متعین جگہ پر بیٹھ جائیں گے اور چالیس روز تک کچھ نہیں کھائیں گے۔ حضرت شیخ بوعلی نے جواب دیا: یہ کوئی کمال نہیں۔ مقابلے کی صورت یہ متعین کرتے ہیں کہ ہر روز کھانا کھائیں گے اور چالیس روز تک ایک ہی وضو سے نماز پڑھیں گے۔ اس واقعہ کے پہلے حصہ سے پتہ چلتا ہے کہ انسان بھوکا رہ سکتا ہے اور بھوک بھی ایک قسم کی خوراک ہے جو روحانی مقام و مرتبہ کے مطابق عطا ہوتی ہے۔ دوسرے حصے سے پتہ چلتا ہے کہ اہل اللہ کے نظام جسمانی میں نورانیت پیدا ہو جاتی ہے چنانچہ وہ کھاتے بھی ہیں تو ان کے جسم میں ثقل پیدا نہیں ہوتا اور عرصہ دراز تک با وضو اور پاک رہتے ہیں۔ پوری بحث کا حاصل یہ نکلا کہ بھوک کچھ نہ کھانے کو کہتے ہیں، اسی کا نام روزہ ہے اور روزہ حصول نور کا ذریعہ ہے مگر اس سے نور اس وقت حاصل ہوتا ہے جب اسے حصول نور ہی کے جذبے اور ارادے سے باقاعدہ آداب و ضوابط کے ساتھ رکھا جائے۔

روزے کے روحانی حقوق و آداب

اولیاء کرام فرماتے ہیں کہ کھانے پینے سے رک جانا کوئی کمال نہیں۔ یہ تو بچوں کا کھیل ہے اور یہ مقصود بھی نہیں ہے۔ اصل مقصود تقویٰ ہے۔ جس طرح قربانی سے مقصود بھی تقویٰ ہی ہے یہ نہیں کہ انسان خون بہائے اور گوشت کھا کر فارغ ہو جائے یا یہ سمجھے کہ بارگاہ خداوندی میں بے عینم یہ گوشت پہنچتا ہے۔ وہاں تو صرف دلوں کو دیکھا جاتا ہے کہ اس نے حکم خداوندی کی بجا آوری میں یہ جانور

کے لئے بوجھ نہیں بنتی۔ اس سے حاصل شدہ قوت نور میں بدل جاتی ہے اور بشری تقاضے کے مطابق معمولی سا فضلہ خارج ہو جاتا ہے۔ اس کی مثالیں خارج میں موجود ہیں۔ جناب عیسیٰ علیہ السلام جسدِ عنصری کے ساتھ آسمان پر موجود ہیں۔ انسان ہونے کے باوجود نورانی پیکر میں ہیں، آپ پر نورانیت اور روحانیت کا غلبہ ہے، ذکر الہی ہی ان کی غذا ہے۔ ادھر وہ اعجازی شان کے ساتھ بڑے باکمال انداز میں بہشت بریں کے شاداب باغوں میں رہ رہے ہیں اور بشری تقاضے آپ کو بالکل پریشان نہیں کرتے۔

یہی شان جنت میں پہنچنے کے بعد عام مسلمانوں کو بھی حاصل ہو جائے گی۔ وہ جنت کی نعمتیں کھائیں گے۔ دودھ، شہد، شراب کے جام پیئیں گے مگر غلبہ نورانیت کی وجہ سے انہیں کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوگی، بول و براز کیلئے بیت الخلاء وغیرہ میں نہیں جانا پڑے گا بلکہ ایک ڈکار آئے گا اور سب کچھ ہضم ہو جائے گا اور خوشبودار پسینے کے ذریعے سب کچھ تحلیل ہو جائے گا۔

مسلمانوں کو جو مقام جنت میں عطا ہونا ہے وہ اہل اللہ کو انعام کے طور پر دنیا ہی میں عطا کر دیا جاتا ہے جب وہ رضائے الہی کیلئے اور لقائے ربانی کے شوق میں اپنی خواہشات سے دست کش ہوتے ہیں۔ وہ جب اصلاح احوال کی طرف توجہ دیتے ہیں تو قدرت ان کی اغلاص پر مبنی یہ قربانی قبول فرماتی ہے اور انہیں رذائل نفس اور دیگر خباثت سے نجات عطا کر دیتی ہے۔ چنانچہ وہ بھوک سے روحانی توانائیاں اسی طرح حاصل کرتے ہیں جس طرح دوسرے لوگ دیگر غذاؤں سے حاصل کرتے ہیں۔ اس حقیقت کی ایک نمائندہ مثال وہ واقعہ ہے جو کشف المحجوب شریف میں ذکر کیا گیا ہے کہ

”علاقہ مرو“ میں دو آفتاب و ماہتاب درخشاں

ذبح کیا ہے یا محض دکھاوا اور شہرہ مقصود ہے۔

لَنْ يَسْأَلَ اللَّهُ لُحُومَهَا وَلَا دِمَائَهَا وَلَكِنْ
يَسْأَلُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ.

”اللہ تعالیٰ تک گوشت اور خون نہیں پہنچتا بلکہ
تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔“

اس کے علاوہ سوچنے کی یہ چیز ہے کہ کھانا پینا
انسان کے لئے حلال ہوتا ہے، روزے کے دوران چند گھنٹوں
کے لئے حرام ہو جاتا ہے۔ غروب آفتاب کے بعد پھر حلال
ہو جاتا ہے تو ایسی چیز جو روزہ رکھنے سے پہلے بھی انسان کیلئے
حلال تھی اور بعد میں بھی حلال ہوگی اسے اتنی اہمیت کیسے
حاصل ہو سکتی ہے کہ وہ مقصود بالذات بن جائے۔ اس سے
واضح ہوتا ہے کہ مقصود کچھ اور ہی ہے اور اسے محض ذریعہ اور
علامت بنا یا گیا ہے۔ وہ مقصود کیا ہے؟ اسے حضور داتا گنج
بخش علی ہجویریؑ نے کشف العجب شریف میں ایک حدیث
کے ذریعے بیان فرمایا ہے۔ نبوی ارشاد ہے:

إِذَا صُمْتَ فَلْيَصُمْ سَمْعُكَ وَبَصْرُكَ
وَلِسَانُكَ وَيَدُكَ وَكُلُّ عَضْوٍ مِنْكَ

”جب تو روزہ رکھے تو چاہئے کہ تیرے ہاتھ،
کان، آنکھیں اور زبان سب روزہ رکھیں بلکہ تیرا ہر عضو
روزہ رکھے۔“

یعنی روزے کی حالت میں تمام حواسِ خمسہ
حرام کاموں سے مجتنب رہیں اور جو امور وہ انجام دے
سکتے ہیں انہیں بصورتِ حلال انجام دیں اور اعمال کا
ارتکاب ایسی صورت میں نہ کریں جس کی انہیں اجازت
نہیں۔ چنانچہ آنکھیں نامحرم کی طرف نہ انھیں غلط حرکات
نہ دیکھیں، تجسس میں نہ پڑیں اور صرف ان ہی اشیاء اور
مناظر کو دیکھیں جنہیں دیکھنے کی اجازت ہے اور وہ حلال
کے زمرے میں آتی ہیں۔۔۔ کان بھی اسی طرح محتاط
رہیں اور کوئی ناجائز و ناپسندیدہ بات سننے کی کوشش نہ
کریں۔۔۔ اسی طرح ہاتھ اور دیگر اعضاء و جوارح اور

حواس بھی اپنے طبعی وظائف کی ادائیگی کے دوران اپنے
متعین دوائر میں رہیں اور ان سے تجاوز کرنے کی کوشش نہ
کریں۔ حضرت داتا گنج بخش رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے
ہیں کہ میں نے خواب میں حضور نبی کریم ﷺ سے عرض
کی: یا رسول اللہ! او صنی کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیے۔
آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: احببس حواسک ”اپنے
حواس کو قابو میں رکھ۔“

روزہ حواس پر کنٹرول کرنے اور اعضاء کو
برائیوں سے روکنے کا نام ہے۔ چنانچہ مختلف اعضاء سے
جو گناہ سرزد ہوتے ہیں ضروری ہے کہ وہ روزے کی
حالت میں اس سے سرزد نہ ہوں۔ زبان جھوٹ اور غیبت
سے بچنے، ہاتھ چوری، لوٹ مار، ملاوٹ، ظلم، زیادتی سے
بچیں اور دوسرے اعضاء بھی بری حرکات کی طرف مائل
نہ ہوں۔ اگر انسان روزہ رکھ کر بھی بدستور جھوٹ بولے
اور جھوٹی گواہیاں دیتا پھرے یا ناشدنی حرکتوں سے باز
نہ آئے تو محض کھانا پینا چھوڑ دینے سے کچھ حاصل نہیں
ہوتا۔ اسی لئے سرکار کا ارشاد ہے:

کم من صائم ليس له من صيامه الا الجوع
والعطش ”کتنے ہی روزہ دار ایسے ہیں جنہیں روزے سے
بھوک اور پیاس کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ ایک اور ارشاد
ہے کہ من لم يدع قول الزور والعمل به فليس لله
حاجة ان يدع طعامه وشرابه ”جو شخص جھوٹ بولنا اور اس
پر عمل کرنا ترک نہیں کرتا، تو اللہ تعالیٰ کو اس کے اس عمل کی
قطعی ضرورت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔“

ان تفصیلات و ارشادات سے یہ روشنی ملی کہ روزہ
’اپنے اعضاء کو گناہوں اور برائیوں سے روک لینے کا نام
ہے۔ جو روزہ دار اس شان کا روزہ رکھتا ہے اسی کا روزہ اس
کے باطن میں وہ نور پیدا کرتا ہے جو روح کی غذا بنتا ہے اور
انسان کو کھانے پینے سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

آپ کے دینی مسائل مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی

کسی کے لئے جنت اور کسی کے لئے جہنم زار نہ بن جائے۔
آپ دنیا کی کسی تحریک کو دیکھ لیں۔ کسی مذہب کا
مطالعہ کر لیں، روٹی کا مسئلہ کسی نے نہ نظر انداز کیا، نہ کیا
جاسکتا ہے۔ اس لئے غریبوں، بیواؤں، یتیموں اور معذوروں
کی مدد کرنے کا حکم ہر جگہ ہر ایک نے دیا اور دے رہے ہیں
مگر جس انداز سے اس مسئلہ کو اسلام نے لیا ہے اور جس
حکمت سے اسے حل کیا ہے وہ اسی کا خاصہ ہے۔ عام طور پر
دوسروں کی مدد، ایک اخلاقی ہدایت تک محدود رکھی گئی ہے کہ
کرنا چاہئے اچھی بات ہے مگر یہ اسلام کا امتیاز ہے کہ اس
نے جو نظام حیات دیا اس میں نماز جیسی اہم ترین عبادت کے
بعد زکوٰۃ کی صورت میں اس مسئلہ کو حل کر دیا۔ مال وصول
کریں اور محروم طبقات کو ضروریات مہیا کریں چنانچہ حکم ہوا:

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ
بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ. (التوبہ، ۹: ۱۰۳)

”آپ ان کے اموال میں سے صدقہ (زکوٰۃ)
وصول کیجئے کہ آپ اس (صدقہ) کے باعث انہیں (گناہوں
سے) پاک فرمادیں اور انہیں (ایمان و مال کی پاکیزگی سے)
برکت بخش دیں اور ان کے حق میں دعا فرمائیں۔“

یہ تو رسول اللہ ﷺ کو حکم تھا۔ اب عام
مسلمانوں کا فرض بھی ملاحظہ فرمائیے۔

الَّذِينَ إِنْ مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا

سوال: اسلام کے فلسفہ زکوٰۃ بارے
آگاہ فرمائیں۔

جواب: اسلام ایسا نظام معاش قائم کرتا ہے
جس سے قومی سرمایہ اوپر اوپر ہی نہ گھومتا رہے۔ ارشاد رب
العزيز ہے کہ

كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ.

”تا کہ (سارا مال صرف) تمہارے مالداروں
کے درمیان ہی نہ گردش کرتا رہے (بلکہ معاشرے کے تمام
طبقات میں گردش کرے)۔“ (الحشر، ۵۹: ۷)

کیونکہ قومی سرمائے کی حیثیت تمام لوگوں کے
لئے ایسی ہی ہے جیسے جسم کے لئے خون۔ اگر خون بعض
حصوں کو پہنچے اور بعض محروم رہ جائیں تو وہ مفلوج ہو جائیں
گے۔ یونہی قومی دولت اگر اوپر ہی اوپر چند طبقات میں گردش
کرتی رہی تو قوم کی اکثریت معطل ہو کر رہ جائے گی۔

جس طرح جسم کا مفلوج حصہ اچھا نہیں ہوتا اور جسم پر بوجھ
بن جاتا ہے، اسی طرح جب عوام پر قومی سرمایہ خرچ نہ ہوگا تو
یہ بے زبان اکثریت معاشرے کے لئے وبال جان بن
جائے گی۔ لہذا معاشرے کی خیریت اسی میں ہے کہ قومی
دولت کی تقسیم مساویانہ طور پر کی جائے تاکہ معاشرے کے ہر

فرد کو اس کی ضروریات بہم پہنچتی رہیں اور یہ خوبصورت دنیا

الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَآمُرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوُوا عَنِ الْمُنْكَرِ. (الحج: ٤١)

”یہ اہل حق (وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار دے دیں (تو) وہ نماز (کا نظام) قائم کریں اور زکوٰۃ کی ادائیگی (کا انتظام) کریں اور (پورے معاشرے میں نیکی اور بھلائی کا حکم کریں اور (لوگوں کو) برائی سے روک دیں۔“

اسلام کے دور اول میں جب اسلام مکمل طور پر ملکی قانون کے طور پر متمکن تھا نماز اور زکوٰۃ کا سسٹم بھی باقی قوانین و احکام کی طرح حکومت ہی قائم کرنے کی ضامن تھی۔

جب بھی مالک نصاب ہوگا، زکوٰۃ فرض ہوگی۔ اس کی تدبیر کرنا اس کا کام ہے کہ مال تجارت یا صنعت میں لگائے۔ مضاربہ یا مشارکہ کے اصول پر یا کسی اور مناسب طریق پر تاکہ پڑے پڑے مال کو زکوٰۃ ہی نہ کھاتی رہے۔ جب کاروبار میں لگائے گا تو رزق حلال بھی بڑھے گا۔ کئی دوسروں کے حصول رزق کا ذریعہ بھی بنے گا اور یوں وہ شخص ذاتی دولت کے بجائے قومی سرمائے کی صورت اختیار کر لے گا۔ جس سے صرف ایک کا نہیں کئی دوسروں کا بھلا بھی ہوگا۔ استعمال کبھی کبھی کریں یا روزانہ یا کبھی نہ کریں۔ اس میں فرق نہیں۔

آپ کے پاس گھر میں بینک میں مال تجارت کی صورت زیورات کی صورت کرنسی کی صورت جب بھی اتنا مال ہو جو ساڑھے سات تولہ سونے یا ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت کے برابر یا اس سے زائد ہے۔ ضروریات زندگی سے زائد ہے قرض سے فارغ ہے اور اس پر سال گزر چکا ہے تو آپ پر ڈھائی فیصد کی شرح سے زکوٰۃ فرض ہے۔ درمیان سال جو اضافی رقم آئے گی اسے بھی اصل مال کے ساتھ جمع کر کے کل مال پر زکوٰۃ فرض ہے۔ ہر ہر جز پر سال گزرنا ضروری نہیں۔

سوال: روزانہ استعمال کا سونا یا جو کبھی کبھی استعمال ہوتا ہے یا جو سیف میں پڑا ہوا ہے تمام اقسام زکوٰۃ میں شامل ہیں یا کچھ استثنا ہے؟ نیز اس بات کی بھی وضاحت فرمائیں کہ کیا مال کے ہر ہر جز پر سال کا گزرنا ضروری ہے؟

جواب: سونا بصورت زیورات وغیرہ دو طرح کا ہوتا ہے۔

۱۔ استعمال میں آنے والا ۲۔ استعمال میں نہ آنے والا سونا و چاندی قدیم زمانہ سے آج تک ثمن مطلق تسلیم کیا جا چکا ہے اور تمام دنیا اسی کو اصل ثمن مانتی ہے۔ بین الاقوامی لین دین میں مرکزی حیثیت آج بھی سونے کو حاصل ہے۔ گویا اس مسئلہ میں تمام دنیا نے اسلام کی دہلیز پر سر جھکا یا ہوا ہے۔ فالحمد للہ کہ ثمن مطلق اسے اسلام نے قرار دیا ہے۔

جب یہ بات واضح ہوگئی تو جس شخص کے پاس نصاب کے برابر سونا یا چاندی موجود ہے، خواہ ڈلی کی صورت میں، خواہ زیورات کی صورت میں خواہ برتن وغیرہ کی صورت میں، یا اس مالیت کے برابر کرنسی نوٹ یا اس کے مساوی مالی تجارت، ان سب پر سال گزرنے کے بعد مقررہ شرح کے مطابق زکوٰۃ فرض ہے۔ خواہ زیورات پہنے یا نہ پہنے۔ گھر میں رکھے یا لاکرز میں۔ ملکیت شرط ہے

سوال: کیا زکوٰۃ کی رقم اپنے چھوٹے بھائی کو دی جاسکتی ہے جو بے روزگار ہو؟

جواب: بہن، بھائی، چچا، ماموں، خالہ، پھوپھی یا ان کی اولاد، اگر غریب ہیں اور حاجت مند ہیں تو ان کو زکوٰۃ دینا دوہرا ثواب ہے۔ ایک صلہ رحمی کا دوسرے ادائیگی فرض کا۔ ہاں اپنے اصول یعنی والدین دادا، دادی، نانا، نانی اور ان سے اوپر والے اور اپنے فروع یعنی اولاد مثلاً بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسہ نواسی اور ان کی اولاد کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ یونہی میاں بیوی ایک دوسرے کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔ جب آپ کے نصاب پر سال گزر جائے زکوٰۃ

چاہئے کہ جمع کرنے والا کون ہے؟ کیا اس طرح مستحقین تک مال پہنچے گا یا غلط کار لوگ اسے اپنی عیش و عشرت پر خرچ کریں گے؟ کیا یہ لوگ دیانت دار ہیں؟ وغیرہ۔

سوال: کیا سال گزرنے سے پہلے زکوٰۃ دینا جائز ہے؟

جواب: ایک یا دو سال پیشگی زکوٰۃ دینا بالکل جائز ہے۔ آپ دس سال کی پیشگی زکوٰۃ بھی دے سکتے ہیں۔ بعد میں زکوٰۃ زیادہ بنتی ہو تو اضافہ کر کے پوری کر دیں۔ کم بنتی ہو تو صدقہ کر لیں یا آئندہ مدت کی مزید پیشگی ادائیگی کر دیں۔ بہر حال ایک یا کئی سالوں کی پیشگی زکوٰۃ ادا کرنا شرعاً جائز ہے۔ فقہائے کرام فرماتے ہیں:

ان قدم الزکوٰۃ علی الحول وهو مالک النصاب جاز. (ہدایہ، ۱: ۱۵۲، فتح القدر، ۲: ۱۵۷)

”اگر کوئی صاحب نصاب ہے اور وہ سال گزرنے سے پہلے زکوٰۃ دیتا ہے تو جائز ہے۔“

سوال: کیا زکوٰۃ سے مفید کتابیں چھپوا کر مفت تقسیم کی جاسکتی ہیں؟۔ کیا ملازم کے معذور بچے کے علاج کے لئے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے جبکہ ملازم کا والد مالدار اور صاحب نصاب آدمی ہے؟۔ کیا مستحق کو زکوٰۃ دیتے وقت یہ بتانا ضروری ہے کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے؟

جواب: آپ زکوٰۃ فنڈ سے کتابیں چھپوا کر مستحقین میں مفت تقسیم کر سکتے ہیں۔ زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ بشرطیکہ کتابیں صحیح اور مفید ہوں۔

ملازم کے بچے کے علاج کے لئے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ آپ رقم دیدیں۔ علاج وہ خود کروائیں۔ اس کا والد مالدار ہے یا نہیں۔ بات ملازم کی ہے، والد کی نہیں۔ آپ زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔

اگر لینے والا مستحق زکوٰۃ ہے تو اس کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔ اس کو بتانا کہ زکوٰۃ ہے، یہ ضروری نہیں۔

اسی مہینے اور تاریخ سے فرض ہے۔ زکوٰۃ ادا کرنے کا کوئی مہینہ مخصوص نہیں۔ ہاں رمضان المبارک میں ثواب زیادہ ہے اس مہینے میں نفی عبادت دوسرے مہینوں کے فرض کے برابر ہے اور ایک فرض دوسرے مہینوں کے ستر فرضوں کے برابر ہے۔

سوال: کیا زکوٰۃ کے پیسے یا صدقہ خیرات کے پیسے گھر گھر جا کر اکٹھا کرنا جائز ہے؟ کیا حضور ﷺ کے زمانے میں ایسا ہوا؟

جواب: زکوٰۃ، فطرانہ یا کوئی اور چندہ، مسجد میں، عید گاہ میں یا کسی اور جگہ جمع کرنا اور امت کی بھلائی کے کاموں میں صرف کرنا اسلامی حکومت کا کام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے خود یہ کام کیا ہے۔ البتہ پوچھنے کی بات یہ ہے کہ آج کل جس طرح ہر شعبے میں نیکی و بدی میں امتیاز مشکل ہے۔ یہ مسئلہ بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ لوگ اچھے کاموں کے لئے بھی چندے اکٹھے کرتے ہیں اور مخلصانہ و رضا کارانہ کام کر کے دوسروں کو فائدہ پہنچاتے ہیں اور کچھ غلط کار لوگ بھی اس میدان میں سرگرم عمل ہیں، جن کے ذاتی مقاصد، نفسانی اغراض اور منفی سوچ ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر شخص کو نہ اچھا کہا جاسکتا ہے، نہ برا۔ واقعتاً جو اچھا ہے وہ اچھا ہے، جو برا ہے برا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے صدقہ فطر، زکوٰۃ اور عشر ہمیشہ سرکاری طور پر جمع فرمایا اور مستحقین کی ضروریات پوری فرمائیں قرآن و حدیث میں اس کا ثبوت موجود ہے۔ اسی طرح عیدین اور دیگر مواقع پر آقا علیہ السلام نے خود غرباء کے لئے صدقہ جمع فرمایا۔ مسجد نبوی میں غرباء کے لئے نقد و ضروریات زندگی جمع کی گئیں۔ منکرین زکوٰۃ سے اسی لئے جہاد کیا گیا کہ وہ بیت المال میں سرکاری اہل کاروں کے ذریعے زکوٰۃ دینے سے انکاری تھے۔ لہذا زکوٰۃ فطرانہ یا چندہ جمع کرنا سنت رسول ﷺ اور اسلامی نظام معیشت کا لازمہ ہے۔ اس سے اصولاً اختلاف ممکن نہیں۔ اختلاف اس سے ہو سکتا ہے اور ہونا

اجتماعی تحریکی زندگی

مقصد اور لائحہ عمل

صاحبزادہ ڈاکٹر حسین محی الدین قادری

نشانیوں اور تخلیقات پر غور کر کے اپنی زندگی کے مقصد اور اپنے رستے کا تعین کر سکیں۔ مثلاً سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۱۶۴ میں فرمایا:

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفَلَکِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ...
”بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات

دن کی گردش میں اور ان جہازوں (اور کشتیوں) میں جو سمندر میں لوگوں کو نفع پہنچانے والی چیزیں اٹھا کر چلتی ہیں۔۔۔“

اللہ رب العزت نے جس طرح ان جہازوں کا تذکرہ فرمایا جو پانی پر نفع پہنچانے والی چیزوں کو لے کر چلتے ہیں، اسی قرآنی مثال سے ہی اکتساب فیض کرتے ہوئے ہم آج کے دور میں کثرت سے استعمال ہونے والے ذریعہ آمد و رفت ریل گاڑی (Train) کی مثال لیتے ہیں جس پر ہمارے مواصلاتی نظام کا بہت زیادہ انحصار ہے۔

اس کی داستان کچھ یوں ہے کہ ہر ٹرین کے لیے ایک اسٹیشن ہوتا ہے جو ریلوے اسٹیشن کہلاتا ہے۔ ایک پلیٹ فارم ہوتا ہے جہاں پر آ کر ٹرین رکتی ہے۔ اگر بڑا ریلوے اسٹیشن ہو تو وہاں کئی پلیٹ فارم ہوتے ہیں، وہاں سے مختلف سمتوں میں ریل گاڑیاں روانہ ہوتی ہیں۔ جیسے لاہور کا ریلوے اسٹیشن کافی بڑا ہے جہاں پر دس بارہ پلیٹ فارمز ہیں۔ وہاں سے ریل گاڑیاں مختلف سمتوں میں روانہ

اللہ رب العزت کی سنت ہے کہ کسی بھی معاملے یا کسی بھی بات کو سمجھانے کے لیے چھوٹی سے چھوٹی چیز کی مثال بھی بیان فرما دیتا ہے تاکہ ہم جیسے ناقص ذہنوں میں بات کا مفہوم واضح ہو کر وحی کا مدعا پورا ہو جائے۔ اس سلسلے میں قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے مکھی اور مچھر تک کی مثالیں بھی بیان فرمائی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْسِبُ أَنْ يُضْرَبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا. (البقرۃ، ۲: ۲۶)

”بے شک اللہ اس بات سے نہیں شرماتا کہ (سمجھانے کے لیے) کوئی بھی مثال بیان فرمائے (خواہ) مچھر کی ہو یا (ایسی چیز کی جو حقارت میں) اس سے بھی بڑھ کر ہو۔“
آج اسی سنت پر عمل کرتے ہوئے ایک مثال کو سمجھنے کی کوشش کریں گے جو ہر روز ہماری نگاہوں میں رہتی ہے۔ اسے ہم استعمال بھی کرتے ہیں اور اس سے زندگی کے سفر اور اس کے تسلسل کو بھی قائم رکھتے ہیں۔ یہ ہماری زندگی کا اہم حصہ ہے لیکن اس پر ہم نے کبھی اُس طرح غور نہیں کیا جس طرح کہ ہمیں کرنا چاہئے۔

قرآن پاک میں کئی مقامات پر اللہ رب العزت اپنی تخلیق اور قدرت کے حوالے سے نشانیوں کا تذکرہ فرما کر ہمارے ذہنوں کو دعوت دیتے ہیں کہ ہم ان

ہوتی ہیں اور ہر ٹرین کی منزل جدا ہوتی ہے۔ اب اگر ہم اس ریلوے اسٹیشن کے نظام اور ٹرین اور پلیٹ فارم کی مثالوں پر ذرا غور کریں تو ہم اپنے حالات کو سمجھنے اور خصوصاً تحریر کی زندگی میں اپنی راہ کے تعین اور اپنی زندگی کے مقصد کو سمجھنے کے لیے بہترین سبق حاصل کر سکتے ہیں۔ اگر ہم اس نظام کو سمجھ لیں تو ہمیں اپنی ذمہ داریاں سمجھنے اور نبھانے میں بہت مدد ملے گی۔ یہاں یہ ذہن نشین رہے کہ trains کیا ہیں اور مسافر کون ہیں تاکہ تمثیل کا اطلاق بھی ساتھ ساتھ واضح ہوتا جائے۔

۲۔ مسافروں کی دوسری قسم وہ ہوتی ہے جنہیں منزل کی تو خبر ہے مگر راستے کی خبر نہیں ہوتی کہ کس راستے پر جا کر ہم منزل کو پاسکتے ہیں۔ انہیں یہ خبر نہیں ہوتی کہ کون سی ٹرین انہیں اپنی منزل تک لے جائے گی۔ پشاور لے جانے والی ٹرین پر سوار ہوئے تو وہ منزل تک لے جائے گی یا کوئٹہ یا پھر کسی دوسرے شہر کو جانے والی ٹرین انہیں منزل تک لے جائے گی۔ یعنی انہیں روٹ کی خبر نہیں، بس منزل کا پتہ ہوتا ہے۔ اس دوسرے طبقے کو یقیناً دشواری ہوتی ہے مگر وہ اسٹیشن پر موجود دوسرے مسافروں سے یا انفارمیشن ڈیسک سے سے معلوم کرتے ہیں کہ منزل ہماری یہ ہے، اب تم ہی بتاؤ کہ کون سے راستے پر جانے والی ٹرین پر ہم سوار ہو جائیں۔ گویا اس دوسرا طبقہ کو اللہ نے منزل کی خبر دی ہے اور پوری سوجھ بوجھ سے نوازا ہے کہ وہ کسی سمجھ دار شخص سے معلوم کر لیتے ہیں اور صحیح سمت میں جانے والی ٹرین پر سوار ہو جاتے ہیں۔

۳۔ اب ایک تیسرا طبقہ بھی ہے جنہیں منزل کی خبر ہے نہ راستے کا پتہ ہے۔ وہ دنیا میں پیدا تو ہو جاتے ہیں مگر بھٹکتے رہتے ہیں۔ وہ confuse رہتے ہیں کہ ان کے جینے کا مقصد اور ان کی منزل کیا ہے؟ ان کی پہچان کیا ہے؟ انہوں نے زندہ رہ کر کرنا کیا ہے؟ انہوں نے دین دار بننا ہے یا دنیا دار بننا ہے؟ ان کی منزل واشنگٹن ہے یا مدینہ اور تاجدار مدینہ ﷺ؟ ان کی منزل مغربی تعلیمات ہیں یا اسلامی تعلیمات ہیں؟ اس تیسرے طبقے کو ان سوالوں کا ادراک ہوتا ہے نہ ان کے جوابوں کی خبر۔ چنانچہ وہ یوں ہی بھٹکتے پھرتے ہیں۔ مگر وہ پیدا ہو کر زندگی کے اس ریلوے اسٹیشن پر آ جاتے ہیں۔ یہ وہ اہم مقام ہے جہاں ان کی مدد کرنا تحریک منہاج القرآن کے ہر ہر کارکن اور قائد کی ذمہ داری ہے۔ اس زندگی کے پلیٹ فارم پر

Trains دراصل جماعتیں، تنظیمات اور کام کرنے والے گروہ ہیں جو مختلف سمتوں اور مختلف منزلوں کی طرف لے جا رہے ہیں۔ ریلوے اسٹیشن ہماری زندگی کا وہ پلیٹ فارم ہے جس پر ہر شخص پیدا ہو کر آتا ہے اور پھر اپنی منزل کی طرف سفر شروع کرتا ہے۔

منزل، راستے اور مسافر

کسی ریلوے اسٹیشن پر تین قسم کے مسافر ہوا کرتے ہیں:

۱۔ ایک وہ طبقہ ہوتا ہے جو چلنے سے پہلے اپنا ہوم ورک کر کے آتا ہے کہ اس کی منزل کیا ہے اور اس منزل کو پانے کے لیے اس نے کون سا روٹ لینا ہے۔ کس راستے پر جانے والی اور کس نوعیت کی ٹرین میں بیٹھنا ہے۔ کیونکہ یہ ریل گاڑیاں بھی کئی طرح کی ہوتی ہیں مثلاً passenger trains، fast، ultra fast یا express trains non-stop وغیرہ۔

مسافروں کے اس طبقہ کو اپنی منزل کی خبر ہے اور اس منزل تک پہنچنے کا وسیلہ بھی معلوم ہے۔ وہ تمام طریقہ ہائے کار اور ضروریات سفر سے باخبر ہوتے ہیں اور اسٹیشن پر آ کر اپنے سفر کے بنیادی لوازمات پورے کر لیتے ہیں، مثلاً ٹکٹ خرید لیتے ہیں اور ضرورت کی چیزیں ساتھ رکھ لیتے ہیں، بلاآخر جس راستے کی انہیں خبر ہوتی ہے اس ٹرین پر سوار ہو جاتے

جہنمیں منزل کی خبر بھی نہیں ہے اور راستے کا پتہ بھی نہیں ہے۔ ان تک خبر کو پہنچانا ہے، انہیں منزل کا شعور دینا ہے اور یہ بتانا ہے کہ تمہاری منزل نہ تو مغربی افکار ہیں نہ آج کا فرسودہ نظام سیاست اور بدعنوان حکمران؛ تمہاری منزل فاشی پر مبنی نظام ہے نہ مغربی تعلیمات اور نہ ہی تمہاری منزل مغرب کے قائدین اور سپہ سالار ہیں۔ تمہاری منزل صرف اور صرف گنبد خضریٰ ہے۔ اگر کوئی تمہیں اس منزل تک پہنچانے کی خبر رکھتا ہے تو وہ حضرت شیخ الاسلام ہیں۔ اس راستے اور منزل کے بارے میں انہیں ہم نے بتانا ہے کہ آج کے پرفتن دور میں تحریک منہاج القرآن ہی وہ ٹرین ہے جو صحیح راستے سے گنبد خضریٰ کی طرف لے جاتی ہے۔

داعی پر اعتماد کی بنیادیں

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن بھٹکتے مسافروں کو آپ صحیح راستے اور منزل کی خبر دین تو وہ آپ کے ساتھ کیوں چلیں اور آپ پر کیوں اعتماد کریں؟ اس سٹیشن پر دیگر جماعتوں کے نمائندگان بھی موجود ہیں۔ ہر کوئی اپنی اپنی ریل گاڑی کی مارکیٹنگ کرتا پھرتا ہے۔ ہر کوئی اپنی گاڑی کو بہترین قرار دیتا ہے اور دعوت دیتا ہے کہ میری ٹرین پر سوار ہو جاؤ، یہ تمہیں جلد درست منزل کی طرف لے جائے گی۔ دوسری طرف یہاں دنیا اور شیطان کے نمائندے بھی موجود ہیں اور وہ بھی اپنا کام اندھا دھند کرتے ہیں۔ وہ اپنی ٹرین پر سوار ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ کوئی آپ کے ساتھ کیوں چلے؟ کوئی بھٹکتا ہوا شخص آپ کی ٹرین پر کیوں سوار ہو؟ اس کو اپنی طرف بلانے کی ترغیب دینے کے لیے ہمارے اندر کچھ ہونا چاہیے تاکہ جس کو پیغام دیا جا رہا ہے اس کا دل چاہے کہ وہ ہم پر اعتماد کر لے اور ہمارے ساتھ شریک سفر ہو جائے۔ اس کے لیے درج ذیل خصوصیات کا ہونا ضروری ہے:

بھٹکتے ہوئے لوگوں کو منزل کی خبر دینا، راستے کا تعین کرنا اور ان بھٹکتے ہوئے لوگوں کو اپنے ساتھ شریک سفر بھی کرنا یہ تحریک منہاج القرآن کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ العالی نے آواز بلند کی، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت و اطاعت کی دعوت دی اور تجدید دین، احیائے اسلام اور اصلاح احوال کے لئے ”مصطفوی انقلاب“ کی منزل کا شعور دیا۔ اس سفر میں ٹرین میں سفر کرنے والے پہلے قسم کی مسافروں کی طرح (جہنمیں راستہ منزل، تقاضے اور لوازمات تک کی خبر تھی) وہ لوگ بھی شامل ہیں جنہیں اللہ رب العزت کے فضل و کرم سے بہت بلند منزل کی خبر ہوگئی اور راستے کا پتا بھی چل گیا۔

اس ٹرین پر ایک ایسا طبقہ بھی ہے جن تک آپ براہ راست نہیں پہنچتے۔ اس عدم رسائی کی متعدد وجوہات ہیں۔ مگر ان تک تحریک منہاج القرآن کی آواز اور اس کا فلسفہ انقلاب CD کے ذریعے پہنچتا ہے۔ ان تک حضرت شیخ الاسلام کی فکر میڈیا کے ذریعے پہنچتی ہے اور وہ خود پوچھتے پوچھتے آپ تک آجاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں اپنے ساتھ شریک سفر کر لو۔ اور یوں تحریک منہاج القرآن کی ٹرین پر وہ آپ کے ہم سفر ہو جاتے ہیں۔ اس میں ہمارا اور آپ کا کوئی کمال نہیں ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے پہلے آپ پر کرم فرمایا اور آپ کو منزل کی خبر بھی ملی اور راستے کی خبر بھی ملی۔ یہ دوسرا طبقہ ہے جو خود کچھ سن کر آپ تک پہنچا اور کہنے لگا کہ میری منزل مدینہ ہے۔ آپ بتائیں کون سا راستہ مدینہ کی طرف لے جاتا ہے۔ آپ نے کہا ہاں ہم بھی حضرت شیخ الاسلام کی قیادت میں تاجدار مدینہ کی طرف جا رہے ہیں، ہمارے ہم سفر ہو جاؤ، یہ راستہ مدینہ لے جائے گا۔

اب تیسرا طبقہ کون سا ہے؟ یہ وہ طبقہ ہے جس پر آپ نے اور ہم سب نے کام کرنا ہے۔ یہ وہ طبقہ ہے

۱۔ کردار کی عمدگی

اندر کی کیفیات نیت اور ارادہ اور ان کا اس کے عمل کے ذریعے سے کامل اظہار ہونا چاہیے۔ اسے کردار کی عمدگی اور محاسن اخلاق سے مزین ہونا چاہیے، ظاہر و باطن میں یکسانیت اور یک رنگی ہونی چاہیے تاکہ زبان اور دعوت میں تاثیر پیدا ہو اور بھٹکتے ہوئے مسافر آپ کی ٹرین پر سوار ہونے کے لیے فوراً تیار ہو جائیں۔

۲۔ شعورِ منزل

اب دوسرے پہلو کی طرف آتے ہیں۔ اب سمت کی بات ہے۔ کوئی ٹرین اس سمت جاتی ہے کوئی اُس سمت جاتی ہے لیکن جو مسافر اس دنیا کے اسٹیشن پر آتا ہے اس کی منزلیں دو چار پانچ نہیں ہو سکتیں۔ مسافر کی منزل ایک ہی ہوا کرتی ہے۔ یہ تو ممکن نہیں کہ مسافر پہلے کوئٹہ کی طرف چلے اور پھر راستے میں اتر کر پشاور کی طرف چل پڑے اور آدھے راستے میں اتر کر کراچی کی ٹرین پکڑ لے۔ ایسا مسافر ساری زندگی بیل کی طرح اسٹیشن کے گرد گھومتا رہے گا لیکن کہیں کا سفر طے نہیں کر سکے گا۔ لہذا ایک سو ہو جانا ضروری ہے۔ پہلے ایک منزل یا سمت کا تعین کرے تاکہ اس سمت جانے والی ٹرین پر سوار ہو سکے۔

۳۔ ٹرین اور راستہ

ٹرین کی مثال بس یا گاڑی کی نہیں ہے کہ جہاں دل چاہا موڑ لی۔ یہ ٹریز طے شدہ tracks پر چلتی ہیں۔ اگر track سے اترنے کی کوشش کی جائے تو ٹرینیں تباہ ہو جایا کرتی ہیں۔ نیز ٹرین کے ساتھ ڈبے جڑے ہوتے ہیں۔ تحریکی زندگی میں اس کی مثال ایسے ہے جیسے ہماری تنظیمات ہیں۔ کہیں یوتھ لیگ ہے، کہیں ایم ایس ایم ہے۔ کہیں ویمن لیگ ہے، کہیں دعوت کا فورم ہے، کہیں تربیت کا فورم ہے۔ ہر ہر نظامت اور تنظیم ایک ڈبے کی حیثیت رکھتی ہے۔ ٹرین کو دیکھیں تو سب ڈبے ایک دوسرے سے جڑے ہوئے اور منسلک ہوتے ہیں۔

سب سے پہلی چیز دعوت دینے والے کی perfection ہے کہ وہ کیسے دعوت دیتا ہے؛ اس کا عمل کیسا ہے کہ سننے والا اس کی زبان پر اعتماد کرے، اگر وہ دنیا دار معلوم ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ ٹرین ہماری دین کے سفر پر جاتی ہے تو کوئی کیا اعتبار کرے گا۔ کوئی ہمارے کردار میں بھی جھانک کر دیکھے اور کردار گندا معلوم ہو تو وہ کیوں ہماری زبان پر اعتماد کرے گا اور اگر کوئی ہماری چلتی ہوئی ٹرین میں جھانک کر دیکھے اور ہر دم اسے آپس میں لڑتے ہوئے لوگ نظر آئیں تو وہ کیوں اس ٹرین میں سوار ہوگا کہ اس ٹرین پر سوار لوگ تو خود ایک دوسرے کی جان کے درپے معلوم ہوتے ہیں، یہ کیسے ہمیں بحفاظت منزل تک پہنچائیں گے۔ تو یہ سارا معاملہ صرف presentation کا ہے۔ جب دعوت دیں تو اس سے قبل کامل دعوت آپ کے لہو میں سرایت کر چکی ہو، جو دعوت دینے جا رہے ہیں وہ دعوت آپ کی شخصیت کا حصہ بن چکی ہو تو پھر وہ دعوت اثر رکھتی ہے۔ ٹرین جس سمت لے جا رہی ہے تو دیکھنے والا یہ کہے کہ ہاں یہ اسی راستے کے مسافر لگتے ہیں۔ یہ مدینہ کے راستے کے مسافر ہی لگتے ہیں۔ لیکن اگر ہماری طبیعتوں میں لالچ نظر آئے، دنیا کا لالچ ہو، دولت کی ہوس ہو، زر کی بھوک ہو تو دیکھنے والا ضرور سوچے گا کہ یہ تاجدار مدینہ کی منزل تک کیسے لے جائیں گے۔ انہیں تو خود بھی رسائی میسر نہیں ہے۔ رسائی ہوتی تو ایسے نہ ہوتے۔ ایک کارکن ہونے کی حیثیت سے ہم میں سے ہر شخص اپنے حال کو دیکھے کہ وہ دعوت کے معیار پر کس حد تک پورا اترتا ہے۔ یہاں تو سب لوگ داعی ہیں۔ دعوت دین ہے تو دعوت دینے والے کی presentation سے شناسائی ہونی چاہئے اور presentation تو ظاہر و باطن کا معاملہ ہے۔ داعی کے

وَيَضِيقُ صَدْرِي وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِي فَأَرْسِلْ

إِلَى هَرُونَ (الشعراء، ٢٦: ١٣)

”اور (ایسے ناسازگار ماحول میں) میرا سینہ تنگ ہو جاتا ہے اور میری زبان (روانی سے) نہیں چلتی سو ہارون (علیہ السلام) کی طرف (بھی جبرائیل علیہ السلام کو وحی کے ساتھ) بھیج دے (تاکہ وہ میرا معاون بن جائے)“

سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ مولانا! مجھ میں زبان کے لحاظ سے اتنی فصاحت نہیں ہے لہذا تبلیغ رسالت کے اس عظیم فریضہ کی ادائیگی میں میرے ساتھ میرا بھائی ہارون بھی کھڑا کر دے۔ اب سیدنا ہارون علیہ السلام نے وہ ذمہ داری سنبھالی تو کیا اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت حضرت ہارون علیہ السلام کے نام منسوب ہوگئی؟ شریعت تو موسیٰ علیہ السلام کی ہے، فضیلت بھی موسیٰ علیہ السلام کی ہے، عظمت بھی موسیٰ علیہ السلام کی ہے لیکن اس میں عظمت زیادہ ہے۔ مگر ہم لوگ انا کی وجہ سے جھوٹی عزت کا خول بنا کر اس میں اپنے آپ کو قید کر لیتے ہیں۔ اگر اپنے سے زیادہ باصلاحیت کسی دوسرے کا نام لے لیتے تو کام بہتر انداز میں انجام پا جاتا۔ لیکن ہم نے اپنی ذمہ داری کے ساتھ بددیانتی کی، اپنی جھوٹی عزت کی خاطر تحریک کا کام اپنی کم صلاحیت کے باوجود اپنے پاس رکھا اور تحریک کے کام کو نقصان پہنچنے دیا تاکہ جھوٹی عزت سلامت رہے مگر کوئی یہ نہ کہے کہ اس میں یہ کمی ہے۔ اگر وہ کمی تسلیم کر کے اس کے حق دار شخص کو آگے کر دیا جاتا تو اللہ رب العزت کا زیادہ محبوب ہوتا کہ اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے کام کو متاثر نہیں ہونے دیا۔ یہ بڑی بات تھی۔ اسی کو ذمہ داری کا شعور کہتے ہیں جو کامیابی کی ضمانت ہوتا ہے اور حصول نتائج کا سرچشمہ بھی۔

خوش گوار تنظیمی سفر

سفر جاری و ساری ہے، ڈبے ہیں اور ایک

اگر کوئی بندہ اپنے آپ کو ٹرین سے یا کسی ڈبے سے جدا کرنا چاہے تو کسی کے جدا ہونے سے ٹرین کا سفر نہیں رکتا، اس کی قیادت اس ٹرین کو تیزی کے ساتھ منزل کی طرف لے جا رہی ہے اور وہ عطا کردہ track پر چل رہی ہے اور نہ اس کی رفتار کو کوئی ڈبہ متاثر کر سکتا ہے۔ اس ٹرین نے منزل تک پہنچنا ہے کیونکہ یہ لکھ دیا گیا ہے۔ وہ تمام ڈبے یعنی تنظیمات منزل تک تب پہنچیں گی اگر وہ ایک دوسرے سے جڑے رہیں گی۔ ڈبے ایک دوسرے سے لڑا نہیں کرتے، وہ coordination میں رہتے ہیں، ایک دوسرے کے ساتھ جڑ کر چلتے ہیں تو منزل تک سفر طے ہوتا ہے۔ جب منزل بھی ایک ہے، اس منزل کی جانب لے کر جانے والی قیادت بھی ایک ہے، وہ ٹرین بھی ایک ہے جو منزل کی طرف لے جا رہی ہے تو مشکلات کو عبور کرتے ہوئے اختلافات کو بھلا کر ہمیں اپنا سفر طے کرتے رہنا چاہیے کیوں کہ اس ٹرین نے تو اللہ کے حکم سے منزل تک پہنچنا ہے۔ اس کی رفتار کو کوئی متاثر نہیں کر سکتا۔ ہم صرف اپنے لیے مشکل بناتے ہیں۔ لہذا کوآرڈینیشن ضروری ہے۔

۴۔ ذمہ داری کا شعور

جو کام بڑے نہیں کر سکتے وہ کھلے دل سے چھوٹوں کو دے دیں۔ جو چھوٹے نہیں کر سکتے وہ بڑوں کو دے دیں۔ اگر کسی میں کسی صلاحیت کی کمی ہو تو اس میں شرمانے کی کیا بات ہے! اگر وہ دل سے اظہار کر دے کہ یہ کام میرے بس سے باہر ہے اور وہ کسی باصلاحیت کو اس کام کے لیے آگے کر دے تو اس کی زیادہ عزت ہے۔ قرآن مجید اس کا گواہ ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اللہ رب العزت نے جب تبلیغ کی ذمہ داری سونپی تو ان کی شخصیت تھی، فضیلت بھی تھی مگر آپ نے کھلے الفاظ میں اللہ رب العزت کی بارگاہ میں اظہار کیا جیسا کہ قرآن حکیم میں مذکور ہے:

کے جلد از جلد اپنی منزل تک پہنچ سکیں۔ اخلاص، محبت، ایمان داری، تواضع کے ساتھ اگر سفر کیا جائے تو سب کو سفر میں فائدہ اور آسانی رہتی ہے۔

یقین کامل، کامیاب سفر کی شرطِ اولین

اگر ٹرین میں سوار کسی شخص کو یہ یقین نہ ہو کہ ٹرین منزل تک پہنچے گی یا نہیں تو کیا وہ شخص ٹرین پر سوار رہتا ہے یا اتر کر کوئی اور ٹرین تلاش کرتا ہے؟ وہ یقیناً اتر جاتا ہے۔ اگر کسی شخص کو یہ شک ہو جائے کہ یہ ٹرین آگے کسی تصادم کا شکار ہونے والی ہے، اس کے ساتھ کوئی حادثہ ہونے والا ہے کیا وہ اس ٹرین پر سوار رہے گا یا اتر جائے گا؟

ہر اس شخص کے لیے جس کے ذہن میں وساوس پیدا ہوتے ہوں وہ اپنا ذہن صاف کر لے۔ اگر اس کو یقین نہ ہو کہ یہ ٹرین اسے گنبد خضریٰ تک لے جائے گی یا اسے اپنی قیادت پر یقین نہ ہو یا اسے قیادت کے فیصلوں پر یقین نہ ہو تو اس کے لیے راست اقدام یہی ہے کہ وہ اسی وقت ٹرین سے اتر جائے۔ اپنی زندگی کو مشکل میں نہ ڈالے لیکن اگر اس ٹرین پر سفر جاری رکھنا ہے تو پھر ایمان کی کیفیت یہی ذہنی چاہئے کہ یہ ٹریک درست ہے، ٹرین کو چلانے والی قیادت بھی درست ہے، یہ ٹرین گنبد خضریٰ کو جاتی ہے یہ ٹرین صحیح سمت جارہی ہے۔ اس پر ایمان رہے تو پھر وہ اس پر سوار رہے۔ اگر وہ پریشان ہو، سوار ہو کر بھی مشکل کی باتیں کرتا ہے تو وہ اپنے آپ کو بھی پریشان کرتا ہے اور اپنے ساتھ ہم سفر لوگوں کو بھی مشکل میں ڈالتا ہے کہ یہ ٹرین شاید منزل تک نہیں پہنچے گی۔ اس کی شاید سمت غلط ہے، اس کی رفتار کم ہے، اس کی رفتار زیادہ ہے، اسے دن میں ٹکنا چاہئے تھا، اسے رات میں ٹکنا چاہئے تھا۔ یہ اس ٹریک پر جاتی تو بہتر سفر طے کرتی۔ ایسی باتیں کر کے اپنے آپ کو بھی مشکل میں ڈالے گا اور اپنے ہم سفر لوگوں کو بھی پریشان کرے گا اور کسی

main قیادت ہے جو اس ٹرین کو آگے لے جا رہی ہے۔ اب ہر ڈبے میں مقامی انتظامیہ بھی ہوا کرتی ہے جو کوئی مسئلہ ہو جائے تو اسے حل کرتی ہے۔ منزل ایک ہے، قیادت ایک ہے۔ سب کے دل کا درد مشترک ہے۔ سب نے ایک سمت جانا ہے۔ اب یہ لوکل انتظامیہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ سفر کو خوشگوار بنائے۔ اگر مسافر انتظامیہ سے لڑ جھگڑ کر سفر کرے گا تو وہ سفر خوشگوار نہ گزرے گا۔

ایک بات یہ ذہن نشین کر لی جائے کہ ٹرین کے ڈبوں میں کوئی مسافر یعنی فورمز اور کارکن کے آپس میں چھوٹی موٹی لڑائیوں سے ٹرین رکتی نہیں، اس نے چلتے رہنا ہے۔ اگر خوشگوار ماحول میں سفر گزاریں گے تو اچھا سفر کٹے گا اور اگر جھگڑتے رہیں گے تو اس سے ٹرین اور اس کی رفتار یا قیادت پر کوئی فرق نہیں پڑے گا لیکن آپ اپنا سفر مشکل میں گزاریں گے اور آسودگی سے طے نہیں کر پائیں گے۔ ایک وقت آئے گا کہ لامحالہ کسی ایک دو کو ٹرین سے اترنا پڑے گا۔ اس ذہنی انتشار اور الجھاؤ کے ذمے دار یا آپ ہوں گے یا مقامی انتظامیہ۔

یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ اگر ہم سفر خوش گوار گزاریں گے، اخلاص کے ساتھ گزاریں گے تو اس کا فائدہ بھی ہمیں ہے نہ کہ ٹرین یا اس کی قیادت کو ہے۔ یہ شبہ بھی اذہان سے نکال دینا چاہیے کہ اگلی بچھلی سیٹوں سے کوئی فرق پڑتا ہے۔ سب سیٹیں برابر ہوتی ہیں اور سب نے ہی منزل تک پہنچنا ہوتا ہے۔ کوئی اگلے ڈبے میں سوار ہو یا پچھلے ڈبے میں سوار ہو، جانا تو سب نے ایک ہی منزل کی طرف ہے، لہذا یہ سب باتیں بے معنی ہو جاتی ہیں اور ایسے تمام شکوک و شبہات شیطانی حربے ہوتے ہیں جو داعی کی توجہ اصل مقصود سے ہٹا کر دوسری طرف مبذول کرانے کی ناپاک کوشش ہوتی ہے۔ اندریں حالات ہمیں چاہیے کہ ہم ان شیطانی چالوں کو سمجھیں اور روانی کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھیں تاکہ بغیر کسی رکاوٹ

شخص کو اپنے ہم سفر لوگوں کو پریشان کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اگر کوئی اس وقت پریشان ہے تو ایمان کا تقاضا ہے کہ وہ اتر جائے لیکن اگر سوار رہنا ہے تو یقین کی کیفیت کے ساتھ!

یہاں ایک بات یہ بھی ذہن نشین رہے کہ منزل کے راستے میں کئی اسٹیشن آتے ہیں۔ وہ اسٹیشن کیا ہیں؟ وہ مختلف ادوار اور زمانے ہیں۔ کوئی کسی اسٹیشن سے چڑھتا ہے تو کسی کا سفر اتنا ہی لکھا ہوتا ہے وہ اگلے اسٹیشن پر اتر جاتا ہے۔ اس اسٹیشن سے کچھ نئے لوگ چڑھ جاتے ہیں اور وہ کچھ سفر طے کرتے ہیں لیکن نہ کوئی مسافر اس ڈبے میں لگی کرسی اپنے ساتھ لاتا ہے نہ کوئی مسافر اس ڈبے میں لگی کرسی باہر اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ وہ کرسیاں اس ٹرین کی ہیں، اس compartment کی ہیں، اس قیادت کی ہیں جس کی وہ ٹرین ہے اور ہر کسی کا ایک سفر لکھا ہوا ہے وہ اس سے زیادہ سفر نہیں کر سکتا؛ نہ کوئی کسی کرسی پر اجارہ داری رکھ سکتا ہے کیونکہ وہ کرسی کسی مسافر کی نہیں ہے۔ ایک وقت آتا ہے کہ اس کو اتر جانا ہے۔ اس کا حق صرف اتنا ہے کہ اسے جتنے وقت کے لیے وہ کرسی دی گئی ہے وہ اس کے ساتھ انصاف کرے اس کا مالک بن کر بیٹھنے کی جرأت نہ کرے۔ ہمارا سلسلہ تو یہ ہوتا ہے کہ نئے آنے والے کو اس کرسی پر نہیں بیٹھنے دینا، یہ تو میری کرسی ہے۔ یہ بالکل غلط اور مشن مخالف طرز عمل ہے۔ طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اگلے اسٹیشن سے جو نیا ہم سفر آئے اس سے دوستی کر لے اور اس کو اپنے ساتھ چلائے تاکہ سفر خوش گوار گزرے۔

تحریکی فکر سے مکمل شناسائی

جب لمبے سفر پر نکلتے ہیں تو کیا خالی ہاتھ بغیر تیاری کے چل پڑتے ہیں یا پوری تیاری کر کے نکلتے ہیں؟ یہ انسانی سرشت میں ہے کہ جب لمبے سفر پر روانہ ہوتا ہے تو کچھ سامان ساتھ لے کر نکلتا ہے، راستے کے لیے کھانا

اور کچھ رقم وغیرہ لے کر نکلتا ہے۔ کئی دن کا سفر ہے تو کپڑے بھی ساتھ لے لیتا ہے۔ جب کہ ایک ہم ہیں! خبر بھی ہے کہ منزل دور ہے، سفر لمبا اور مشکل ہے۔ پھر بھی گھروں سے بغیر تیاری کے نکل پڑتے ہیں۔ زاو راہ ساتھ نہیں ہوتا۔ تحریکی زندگی کا زاو راہ کیا ہے؟ یہ شیخ کی محبت ہے تحریک اور فکر کی چٹنگی ہے، تحریک سے وفا ہے، تحریک کی قیادت سے وفا ہے، تحریک کے پیغام کا جاننا ہے، تحریک کی فکر و نظر سے شناسائی ہے جس سے عمل میں چٹنگی ہے۔ ارادے میں چٹنگی ہے۔ یہ سب گنبد خضریٰ تک جانے کے لیے اور تحریک منہاج القرآن اور اس کی ٹرین پر سوار ہونے کے لیے زاو راہ ہے۔

سفر کی تکمیل کے لیے چند باتیں ذہن نشین رکھنا ضروری ہیں۔ سفر جب لمبا ہوتا ہے تو تیاری کے ساتھ نکلتے ہیں۔ تحریکی، فکری اور شعوری فروغ کے لیے کچھ تیاری ضروری ہے۔ اس کے لیے آپ کا مرکز مختلف جگہوں پر تربیتی کیمپ منعقد کرتا ہے جن میں اس سفر کی تیاری کروائی جاتی ہے۔ تحصیلی و ضلعی سطح پر اور ان سے بھی زیریں و بالائی ہر سطح پر کوشش کرنی چاہئے کہ اس تیاری سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کیا جائے۔ اور شرکاء ان تربیتی کیمپس سے استفادہ کر سکیں۔ جہاں تربیتی ورکشاپس نہیں ہو رہیں وہاں تربیتی مواد، جذبہ اور رغبت اور دیگر اہم انسانی اور مادی وسائل (human and material resources) فراہم کرنے کی ضرورت ہے۔

کوئی ہمارے ساتھ کیوں چلے؟ ہم نے اپنے آپ کو اس قابل بنانا ہے کہ وہ قائدانہ صلاحیتیں اپنے اندر موجود ہوں۔ اگر ہم اچھے و درکار بن جائیں تو خود بخود اللہ قائد بنا دے گا۔ ورنہ بننے بغیر قائد بننے کی کوشش کچھ نہیں دیتی۔ دنیا میں انسان عزت مانگتا رہے تو اسے عزت نہیں ملتی لیکن اگر وہ خدا کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو جائے تو اللہ اس کا سرخود اٹھا دیتا ہے۔ سجدہ ریزی سے عزت ملتی ہے۔ سر اٹھانے کا

کامیابی حاصل کریں۔ تپتی ہوئی مسافتوں کو اپنا ہمسفر کریں۔ حیات کے اسٹیشن پر بھٹکے ہوئے مسافروں کو اپنا ہم سفر بنائیں۔ انہیں منزل کی خبر بھی دیں، ہمت، حوصلے، تدبیر اور محنت کے ساتھ آگے بڑھیں۔

انسان دنیا میں ایک ہی بار آتا ہے، پھر چلا جاتا ہے۔ کوئی چالیس پچاس سال کی زندگی لاتا ہے، کوئی ساٹھ یا ستر یا اسی سال کی۔ پھر بالآخر اسے واپس جانا ہوتا ہے، یہی وقت انسان کے پاس ہے جس میں جو کچھ وہ کر سکتا ہے اسے کرنا ہے۔ حقیقی بات تو یہ ہے کہ کسی کو یہ بھی خبر نہیں کہ اگلا لمحہ اس نے زندہ رہنا ہے یا نہیں۔ ہمارے پاس نہ ہمارا ماضی ہوتا ہے نہ مستقبل، ہمارے پاس صرف حال کا لمحہ ہے۔ آج ہمارے اختیار میں ہے، نہ کل تھا نہ کل ہوگا۔ اس کی خبر نہیں۔ اس لیے آج میں مستعد ہو جائیں، یہ نہیں کہ آج یہ کر لیتے ہیں کل تحریک کا کام کر لیں گے۔ پتہ نہیں وہ کل آئے یا نہ آئے اور اس عظیم خدمت سے محروم ہی دنیا سے لوٹ جائیں۔

دنیا کمرہ امتحان ہے، یہاں محنت کرنی ہے۔ جاگ کر سفر طے کرنا ہے۔ جو پہلے سے مستعد ہیں اللہ سے استقامت کی دعا مانگیں۔ جو اپنے اندر سستی محسوس کرتے ہیں آج تجدید عہد و وفا کر لیں اور پھر سے کمر باندھ کر مستعد ہو جائیں اور تحریک کا سفر طے کریں۔ اللہ تعالیٰ وہ کامیابی ہمارے حصے میں لکھے جو کبھی مسلمانوں کے حصے میں ہوا کرتی تھی، اللہ تعالیٰ ہمارا حامی و ناصر ہو، ہمارے حال پر لطف و کرم فرمائے۔ حضرت شیخ الاسلام کے مقام کی شناسائی عطا فرمائے اور جیسے وہ محنت کرتے ہیں، اس محنت کا عشرِ عشیرہ ہمیں بھی عطا فرمائے، تاجدارِ کائنات ﷺ کی سچی سچی محبت عطا فرمائے جو آخرت میں ہمارے لیے وسیلہٴ نجات بن سکے۔

کام اللہ پر چھوڑ دیا کریں۔ محنت اور استقامت کے ساتھ خدمت دین جاری رکھیں اور انعام اللہ پر چھوڑ دیں۔ پھر ہر کارکن کے لیے ضروری ہے کہ وہ داعی بن جائے۔ اگر کسی مسافر کو اپنا ہم سفر کرنا ہے تو دل میں محبت رکھیں تاکہ اسے صحیح گائیڈ کر سکیں اور اپنے ساتھ لے کر چل سکیں۔ جب ہم سب اس قابل بن جائیں گے تو دوسرے لوگ ہمارے ساتھ چلیں گے۔ اس کے لیے ہر کارکن کو داعی بننا ضروری ہے۔ اس کے لیے جو ٹریننگ کیمپس اور ورکشاپس کرائی جاتی ہیں ان میں اپنی شرکت کو لازمی بنائیں اور ان میں ہونے والی سرگرمیوں و تربیتی سیشنز سے بھرپور استفادہ کرنا ہماری زندگی کے لیے نہایت ضروری ہے۔

منزل ایک ہے۔ اگر ڈبے آپس میں تعاون نہیں کریں گے تو مشکل ہو جائے گی۔ باہمی تعاون (coordination) ضروری ہے۔ اور یہ تعاون horizontal اور vertical ہر دو سطحوں پر ہونا چاہیے۔ ہمارے ہاں ایک مسئلہ ہے۔ ہر فورم پر اگر ٹاؤن کی تنظیم ہے تو ان کی آپس میں horizontal کوآرڈی نیشن تو ہے لیکن نجلی سطح پر vertical کوآرڈی نیشن نہیں ہے۔ جب کہ ٹرین کے ڈبے vertical کوآرڈی نیشن میں لنک رہتے ہیں۔ وہ اپنا سفر سہولت سے طے کرتے ہیں۔ جو پیغام ان کو ملے وہ نیچے تک پہنچایا کریں۔ ہمارا کیا حق ہے کہ پیغام اپنے تک رکھیں اسے نیچے تک نہ پہنچائیں! تحریک کے کام کے لیے درد مند ہو جائیں اور جسے یقین نہ ہو اس کا تو ایمان کا معاملہ ہے وہ اتر جائے اور جسے یقین ہو اسے سونے سے کوئی فائدہ نہیں خود جاگ کر اپنا سفر طے کریں۔ راستے کے مناظر بھی حسین ہیں ان کو دیکھتے جائیں۔

آپ کو مرکز کی جانب سے جو ٹارگٹس بھی دیئے جائیں اس پر کام کو یقینی بنائیں۔ زیادہ سے زیادہ

انفاق فی سبیل اللہ

روح کی طاقت

معاشرتی تعلقات کی مضبوطی

عظیم جمال

حاصل ہوں گی۔

معاشرتی تعلقات کی مضبوطی کا راز

ہم اس معاشرے میں رہتے ہوئے رشتہ انسانیت میں ایک دوسرے سے منسلک ہیں۔ جب ہمارے رشتے دوسرے لوگوں سے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں تو اس سے ہمارے اندر اعتماد زیادہ بڑھتا ہے۔ دوسرے لوگ ہمارے لئے ایک آئینے کی مانند ہیں جس میں ہم خود اپنے آپ کو دیکھ سکتے ہیں۔ اس انسانی رشتے کی بنیاد پر اپنی پوری صلاحیتیں استعمال کر کے اپنے مقاصد حاصل کر سکتے ہیں اور اپنی روح کو طاقتور بنا سکتے ہیں اور روح کی طاقت حاصل کرنے کے لئے دوسروں کی مدد کرنے کی مشق کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس مشق کو جس قدر زیادہ کریں گے اتنی ہی روح طاقتور ہوتی جائے گی۔ بالکل ایسے ہی جب تک ورزش نہیں کریں گے تب تک مسلز طاقتور نہ ہوں گے اس لئے مسلز کو طاقت ور بنانے والی قوت کی ضرورت ہماری روح کو بھی ہوتی ہے۔

عطیہ کرنے سے معاشرتی تعلقات زیادہ مضبوط ہوتے ہیں اور یہ تعلقات ہمیں ذاتی تحفظ مہیا کرتے ہیں۔ اس طرح ہم اپنے خوف پر قابو پاسکتے ہیں۔ اپنے خوف پر قابو پالیں گے تو زندگی زیادہ آسان ہو جائے گی۔ جو لوگ اپنے آپ کو خطروں میں گھرا ہوا محسوس کرتے ہیں ایسے لوگوں نے اپنے معاشرتی تعلقات کو نظر انداز کیا ہوتا ہے جن لوگوں کے معاشرتی

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اکیسویں صدی میں مخلوق خدا کی خیر خواہی اور بھلائی کے لئے خرچ کرنے کی اہمیت پہلے سے کئی گنا بڑھ گئی ہے۔ زندگی بہت تیز ہو گئی ہے ہر قسم کے کام ایک شخص خود نہیں کر سکتا۔ بنیادی ضروریات بہت زیادہ بڑھ گئی ہیں۔ اکیسویں صدی اپنے ساتھ انسان کے لئے بہت سے چیلنج بھی لے کر آئی ہے۔ ان حالات میں ہم دوسروں کے لئے کیا کر سکتے ہیں جبکہ ہماری اپنی ضروریات بھی پوری نہیں ہو رہیں۔ ہم اس مہنگائی کے دور میں اوروں کے لئے کیا کر سکتے ہیں؟ جبکہ ہم پر پہلے ہی بہت زیادہ بوجھ ہے ہم عطیہ کرنے کے لئے رقم اور صرف کرنے کے لئے وقت کہاں سے لائیں؟ جبکہ ہمیں تو کوئی عطیہ نہیں دیتا۔ ہم دوسروں کو عطیے وغیرہ کیوں دیں؟

یہ بات ذہن نشین رہے کہ حالات کیسے بھی ہوں لیکن ہم پھر بھی اللہ کی رضا کے لئے خرچ کر سکتے ہیں کیونکہ دوسروں کو کچھ دینے سے خود ہمیں بہت سے فوائد حاصل ہوں گے:

☆ جب ہم کسی کے لئے کچھ کریں گے تو اس سے مثبت طور پر دوسروں سے ممتاز ہوں گے۔

☆ جذباتی، جسمانی اور معاشی طور پر زیادہ مستحکم ہوں گے۔

☆ اس سے صلاحیتیں بڑھیں گی اور زیادہ خوشیاں

تعلقات مضبوط نہیں ہوتے ان کی صلاحیتیں بھی نہیں نکھرتیں۔

تو اس دنیا کو پر امن بنانے میں بہت زیادہ مدد مل سکتی ہے۔

ہمیں اپنے خوف کا مقابلہ کرنا ہوگا اور جن وجوہات سے خوف زدہ ہیں ان کو تبدیل کرنے کے لئے کام کرنا ہوگا۔ اس طرح ہم اپنے خوف پر قابو پانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اس معاملے میں فلاحی کاموں کے لئے خرچ کرنا بہت ہی اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔ اس سے خوف میں کمی آتی ہے، دوسروں کے ساتھ تعلقات استوار ہوتے ہیں اور ہم اپنے آپ کو زیادہ محفوظ خیال کرتے ہیں۔

یہ کیا کم دیا ہے کہ میں نے تجھے تخلیق کیا ہے۔

دراصل اس حکایت کے حوالے سے روئی ہمیں بتانا چاہتے ہیں کہ ہم انسان ہوتے ہوئے بہت سی صلاحیتیں رکھتے ہیں اور ہم ان صلاحیتوں کو استعمال میں لا کر سب کچھ کر سکتے ہیں۔ کچھ لوگ اپنی صلاحیتوں کا بہت کم استعمال کرتے ہیں اس طرح وہ فطرت کے تحائف کو نہیں پاسکتے۔ ایسے لوگ مدد کرنے کی حقیقی طاقت سے نا آشنا رہتے ہیں۔ اگر وہ اس حقیقت کو پالیں تو ان کی زندگی بدل سکتی ہے جب ہم دوسروں کو کچھ دیتے ہیں یا اپنی ذات کی نشوونما کرتے ہیں تو اس سے دونوں کو بے شمار فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

انفاق کے جسمانی و روحانی فوائد

ساہنسدانوں کی تحقیق بتاتی ہے کہ جو لوگ دوسروں کی مدد کرتے ہیں وہ جسمانی اور روحانی طور پر زیادہ صحت مند رہتے ہیں۔ مشی گن یونیورسٹی کے شعبہ صحت کے محققین کی تحقیق پر مبنی امریکی ہیلتھ میگزین مئی 1988ء کے شمارے میں ایک آرٹیکل لکھا گیا تھا۔ اس آرٹیکل میں بتایا گیا تھا کہ جو لوگ فلاحی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں ان کی صحت دوسروں کی نسبت بہت زیادہ اچھی ہوتی ہے لیکن جو لوگ فلاحی کاموں میں بالکل حصہ نہیں لیتے وہ بیماریوں کا شکار ہو کر جلد موت کا شکار ہو جاتے ہیں۔

کامیابیاں اور خوشیاں۔۔۔؟

ہر کوئی کامیابی اور خوشیوں کا مطلب جاننا چاہتا ہے۔ اس دنیا کی لاکھوں سال کی تاریخ بتاتی ہے کہ چیزیں خود نہیں بدلتی بلکہ انہیں بدلنا پڑتا ہے۔ اسی طرح کامیابی اور خوشیاں حاصل کرنے کے لئے کوشش کر کے بہت کچھ بدلنا پڑتا ہے اس کی کئی مثالیں ہمیں اپنے معاشرہ میں نظر آتی ہیں کہ ان کی زندگی میں اس وقت بہت بڑی تبدیلی پیدا ہوئی جب انہوں نے مجبوراً بیمار اور مرتے ہوئے لوگوں کو بچانے کے لئے جدوجہد شروع کی۔ اس سے ان کی زندگی میں بہت سی کامیابیاں اور روحانی خوشیاں در آئیں۔ انہوں نے اپنے آپ کو دوسروں کے لئے وقف کر دیا۔ انہوں نے تکلیف زدہ لوگوں کی تکالیف کم کرنے

بیماریوں کا شکار ہو کر جلد موت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس آرٹیکل میں یہ بھی بتایا گیا تھا کہ جو لوگ دوسروں کی مدد کرتے ہیں اور باقاعدگی سے فلاحی کاموں میں حصہ لیتے ہیں انہیں بے شمار مادی اور روحانی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔ جو لوگ دوسروں کی مدد بلا کسی معاوضے کے کرتے ہیں انہیں مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

- ☆ انسان کی قوت حیات میں اضافہ ہوتا ہے۔
- ☆ جسم میں کیسٹروں کا لیول کم رہتا ہے۔
- ☆ دل کو طاقت ملتی ہے۔
- ☆ چھاتی میں درد کے امکانات ختم ہو جاتے ہیں۔
- ☆ ذہنی دباؤ کم ہوتا ہے۔

اگر ہم فلاحی کاموں کے لئے خرچ کی عادت اپنالیں

میں خود بھی تکلیف اٹھائی لیکن اس تکلیف نے ان کی روحانی خوشی میں بے پناہ اضافہ کیا۔

معروف صوفی ناصرالدین ایک حکایت بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص دریا میں گر گیا وہ لوگوں کو مدد کے لئے پکارنے لگا، لوگ اکٹھے ہو گئے اور اس سے کہنے لگے اپنا ہاتھ دو ہم آپ کو بچا لیتے ہیں لیکن اس شخص نے جبکہ وہ ڈوب رہا تھا اپنا ہاتھ نہ دیا۔ آخر ایک شخص نے کہا میرا ہاتھ لو، اس نے اس شخص کا ہاتھ تھامنا چاہا لیکن اس وقت پانی کا بھنور آیا اور وہ ڈوب گیا۔ ڈوبنے والے شخص نے زندگی میں کچھ دینے کی کوشش نہ کی تھی بلکہ عادت کے مطابق ہمیشہ لیتا ہی تھا۔

اگر ہم مایوس یا غم زدہ ہیں تو کوشش کریں کہ کسی کو کوئی خوشی دے سکیں پھر دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ اگر ہمارے پاس دینے کے لئے کوئی رقم یا چیز نہیں ہے تو دوسروں کے لئے کام کریں پھر مایوسی اور غم دور ہو جائیں گے اور ہم حقیقی خوشی محسوس کریں گے۔

دوسروں کے لئے جو بھی کام کریں وہ جوش اور ولولے سے کریں۔ اچھا کام کرنے کے لئے سخت محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر ہم میں ایسا کام کرتے ہوئے جوش اور ولولہ نہیں ہوگا تو کام بھی اچھا نہیں ہوگا۔ اگر ہمارا کام بہترین ہوگا تو یقین کریں ہمیں خوشی بھی بہت زیادہ ہوگی۔ ورنہ ہماری توانائی ہی ضائع ہو جائے گی۔

ایک بہت ہی اچھا کاریگر تھا جو خوبصورت گھر تعمیر کیا کرتا تھا۔ ایک دن اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنے کام سے ریٹائر ہو جائے گا۔ کاریگر نے اس بارے میں اپنے ٹھیکیدار کو بتایا کہ وہ اب ریٹائر ہو رہا ہے کیونکہ اب وہ اپنا وقت اپنے بیوی بچوں کے ساتھ گزارنا چاہتا ہے۔ یہ سن کر ٹھیکیدار کو افسوس ہوا۔ ٹھیکیدار نے اس کاریگر سے کہا کہ آپ مہربانی فرما کر صرف ایک گھر مزید تعمیر کر دیں۔ کاریگر کا کام کرنے کو توجی نہیں چاہتا تھا لیکن ٹھیکیدار کے کہنے پر بے دلی سے اس نے کام شروع کر دیا۔ اب جو اس نے گھر تعمیر کیا اس

کی دیواریں ٹیڑھی تھیں اور تعمیر کا خام مال بھی بہت ہی گھٹیا تھا۔ جب کاریگر نے اپنا کام مکمل کر لیا تو ٹھیکیدار وہ تعمیر شدہ گھر دیکھنے کے لئے آیا۔ اس ٹھیکیدار نے نئے تعمیر شدہ گھر کی چابی اس کاریگر کے حوالے کی اور کہا یہ گھر تمہارا ہے۔ دراصل میں تمہیں ریٹائرمنٹ پر ایک گھر کا تحفہ دینا چاہتا تھا اس لئے میں نے یہ گھر تعمیر کرنے کے لئے تم سے درخواست کی تھی۔

یہ سن کر کاریگر کو بہت صدمہ ہوا کیونکہ اگر اس کو پہلے معلوم ہو جاتا کہ یہ گھر اس کو تحفے میں دے دیا جائے گا تو وہ اس گھر کو بہت ہی کاریگری اور خوبصورتی سے تعمیر کرتا۔ اس سے ثابت ہوا کہ جو کام بے دلی سے کیا جائے وہ کام اچھے نتائج نہیں دیتا۔ ہم بھی ایک طرح کے کاریگر ہی ہیں کیونکہ ہم اپنی زندگی تعمیر کرتے ہیں، زندگی کے منصوبے کو تعمیر کرنا بہت بڑا کام ہے۔

جب ہم دوسروں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں گے تو وہ بھی ہمارے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں گے اس لئے جو بھی کام کریں بہترین صلاحیتوں سے کریں اس طرح دراصل ہم اپنا ہی مستقبل تعمیر کریں گے۔

امیرانہ زندگی کا حصول

امیر بننے کے لئے بنیادی طور پر دوسروں کی خدمت کرنا ضروری ہے۔ ہمیشہ کوشش کریں کہ اس دنیا کو پہلے سے بہتر کرنا ہے اس طرح تہیہ کر کے ہر کوئی امیر بن سکتا ہے۔ اگر ہم دولت مند ہیں، علم اور ہنر بھی رکھتے ہیں لیکن اس میں سے دوسروں کو نہیں دیتے تو پھر ہم حقیقی طور پر دولت مند نہیں ہیں۔

ہاں اگر ہمارے پاس دولت نہیں ہے لیکن دوسروں کی مدد کرتے ہیں تو پھر ہم حقیقت میں دولت مند ہیں۔ اس طرح ہمارے پاس خوشی اور دوسروں کی محبت ہوگی جو ہر دولت سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ اگر ہمارے پاس بہت زیادہ دولت ہے لیکن یہ کسی کے کام نہیں آتی تو پھر اس

اس سے ہم بہترین دماغی تجربے سے گزریں گے اور طاقتور اور دولت مند ہو جائیں گے۔

اہم نکات: دنیا میں غم بہت زیادہ ہے لیکن کچھ طریقوں سے مثبت تبدیلی لائی جاسکتی ہے۔

☆ جب ہم کسی کی مدد کرتے ہیں تو اس سے بہت سے فوائد حاصل کرتے ہیں۔ اس طرح ہم نئے دوست بناتے ہیں، تحفظ کا احساس ہوتا ہے، صحت بہتر ہوتی ہے، خوشیاں حاصل ہوتی ہیں اور ہمیں فخر کا احساس ہوتا ہے۔

☆ دوسروں کی مدد کرنے سے تخلیقی صلاحیتیں بڑھتی ہیں۔
☆ ہمیں صرف اتنے کی ضرورت ہے جس سے ہم خوش رہ سکیں۔ اپنی ضرورت سے زائد ضرورت مندوں کو دے دینا چاہئے۔

☆ ہم جس قدر زیادہ دیں گے ہمارے اندر دینے کی صلاحیت بھی اسی قدر بڑھتی جائے گی اور اسی قدر ہمیں بھی زیادہ ملے گا یعنی جتنا زیادہ دوں گے اتنا ہی زیادہ حاصل کروں گے۔
☆ دوسروں کی مدد کرنا اور انہیں کچھ فائدہ دینا ایک خوبصورت تجربہ ہے۔

ہم دوسروں کو کیا دے سکتے ہیں؟

ہمارے پاس دینے کے لئے بہت کچھ ہے، اس میں سے تھوڑا بہت دے سکتے ہیں۔ جب ہم دینے کی طاقت کو استعمال کرتے ہیں تو اپنی صلاحیتوں کو بڑھاتے ہیں۔ اپنی صلاحیتوں کو بڑھانے کے لئے ہمیں پختہ ارادے کے ساتھ دوسروں کی قدر کو بڑھانا ہوگا پھر ہمیں اپنی توقع سے بڑھ کر ملے گا۔

ہم دوسروں کو کیا کچھ دے سکتے ہیں؟ اس کے لئے پہلے آپ سوچیں کہ آپ کے پاس کون سی صلاحیتیں، ہنر اور ذرائع ہیں۔ اس میں آپ وقت پیسہ، محبت، فہم اور توجہ کو بھی شامل کر سکتے ہیں۔ جب آپ اپنے باغ سے اپنے پڑوسیوں کو سبزیوں کا تحفہ دیتے ہیں تو یہ ان کے لئے

دولت کا کوئی فائدہ نہیں۔ ایک شخص کو رہنے کے لئے کتنے گھروں کی ضرورت ہوتی ہے۔۔۔ ایک شخص ایک وقت میں کتنی کاروں کو استعمال کر سکتا ہے۔۔۔ اور ایک شخص کتنا زیادہ کھانا کھا سکتا ہے۔۔۔؟ اگر یہ سب چیزیں ہمارے پاس وافر مقدار میں ہیں تو اس سے دوسروں کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

جب ہم اپنی ذات کو نظر انداز کر کے دوسروں کی مدد کرتے ہیں تو سچی خوشی حاصل کرتے ہیں جو کہ کسی بھی دولت سے زیادہ قیمتی ہوتی ہے۔

جب ہم کسی ضرورت مند کی زندگی میں کوئی مثبت تبدیلی پیدا کر دیتے ہیں تو ہماری زندگی میں بھی مثبت تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ کچھ دینے سے پہلے ہی فائدہ حاصل کرنے کی امید لگانا بالکل بے وقوفی ہے۔ کسی کی مدد کرنے سے ایک فطری قانون حرکت میں آتا ہے یہ قانون ہے علت اور معلول کا قانون۔ اس لئے ضروری ہے کہ پہلے آنگیٹھی میں لکڑیاں ڈالی جائیں پھر آگ کی گرمی حاصل کی جائے۔

ہم خوشی کیسے حاصل کر سکتے ہیں؟

دراصل تمام قسم کی خوشیاں کچھ دے کر دوسروں کی مدد کرنے سے ہی حاصل ہو سکتی ہیں۔ اس لئے اگر ہم خوشی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو پہلے دوسروں کو خوشیاں دیں۔ ایسی کامیابی جس سے خوشی حاصل نہ ہو بدترین ناکامی کی ایک قسم ہے۔

اگر ہم بہترین صحت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو پہلے دوسروں کو دولت دیں۔ صرف دینے سے ہی کچھ حاصل ہو سکتا ہے۔ دوسروں کے لئے ایثار و قربانی کا مظاہرہ کرنا ہی ہمیں صحیح معنوں میں دولت مند بناتا ہے۔ اگر ہم محبت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو پہلے دوسروں کو محبت دیں اس طرح ہمیں کامیابی پر کامیابی ملے گی۔ ہمیں چاہئے کہ اپنا وقت، علم و ہنر، فہم ادراک دوسروں کو دیں

بہت بڑا تحفہ ہوگا۔۔۔ اپنے دور پار کے رشتے دار کی ہفتے میں ایک بار فون پر خیریت دریافت کریں گے تو اسکا بہت اچھا تاثر پیدا ہوگا اس پر کوئی زیادہ وقت نہیں صرف ہوتا اور نہ ہی زیادہ پیسہ صرف ہوتا ہے۔

یاد رکھیں کہ آپ کے کئے ہوئے کام قابل قدر ہوں اور مثبت ہوں، یہ بھی آپ کا دوسروں کے لئے تحفہ ہے۔۔۔ جبکہ مہربانی اور رحم دلی کے جذبات بھی ایک بہت بڑا تحفہ ہیں۔۔۔ ایک طالب علم اپنی تعلیم مکمل کر کے اس دنیا کو تبدیل کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ اس کے لئے اس نے بہت خوبصورت فارمولہ پیش کیا۔ اس کا کہنا ہے کہ ایک شخص کو کم از کم تین لوگوں کے ساتھ ہمدردی کر کے ان کی مدد کرنی چاہئے اور وہ تین شخص مزید تین لوگوں کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کریں جیسا ان کے ساتھ کیا گیا تھا۔ اس طرح پوری دنیا میں انسانی ہمدردی اور رحم دلی سے ایک ہفتے میں 4782969 لوگوں کو فائدہ ہوگا۔ ایک خوبصورت آئیڈیا ہے اس سے لوگوں کی تعلیم اور روزگار کا بندوبست بھی کیا جاسکتا ہے اس طرح دنیا میں بہت زیادہ بہتری پیدا کی جاسکتی ہے۔

محبتوں کا فروغ

غیر مشروط محبت
ہر انسان بہت ہی پیچیدہ ہے اور اپنی کوشش سے دنیا میں اپنا راستہ خود بناتا ہے۔ کبھی تو انسان دفاعی رویہ اپناتا ہے، کبھی کسی کو زخمی بھی کر دیتا ہے اور اپنے قریبی عزیزوں کو نظر انداز بھی کر دیتا ہے۔ اگر ہم ایسے انسانوں کی تکلیف کا اندازہ کریں تو معلوم ہوگا کہ تکلیف کیا ہوتی ہے۔ اس لئے محبت کا غیر مشروط ہونا ضروری ہے۔ محبت ٹوٹے دلوں اور ٹوٹے رشتوں کو جوڑ سکتی ہے۔ جب کسی انسان کو محبت ملتی ہے تو وہ محبت بانٹنا بھی سیکھتا ہے۔

محبت کے لئے خوشی سے قربانی دینا پڑتی ہے جیسے والدین اپنے بچوں کی پرورش کے لئے کئی طرح کی قربانیاں دیتے ہیں۔ اگر آپ خود بھی والدین ہیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ بچوں کی محبت کے لئے قربانیوں کی کتنی لمبی فہرست بنائی جاسکتی ہے۔ محبت ہی ایک ایسا جذبہ ہے جس کے لئے بے شمار قربانیاں دی جاسکتی ہیں۔

محبت کرنے کے لئے کچھ چیزوں کو ترک کرنا بھی ضروری ہوتا ہے اور اپنی ترجیحات کی اہمیت کو بھی بدلنا پڑتا ہے جیسا کہ بچے کی تکلیف کے لئے اپنی نیند کو ترک کر دینا، ضروری کاموں کو وقتی طور پر ملتوی کر دینا وغیرہ۔ محبت دینے کے لئے کئی بنیادی ترجیحات کو ترک کرنا پڑتا ہے۔ میاں بیوی کے بہترین رشتے کو استوار کرنے کے لئے اپنے ساتھی کے ساتھ غیر مشروط محبت کی جاتی ہے۔ اس وقت کسی رتبے اور مقام کی بجائے ساتھی کی پسند کو مد نظر رکھا جاتا ہے۔ یہ سب کچھ کرنا کچھ آسان نہیں ہے لیکن جو ایسا

جو کچھ دیا جائے حقیقی محبت سے دیا جائے۔ محبت اس دنیا کی طاقتور ترین چیز ہے۔ جب ہم دوسروں سے محبت کرتے ہیں تو ہم بنیادی انسانی فطرت کو پورا کرتے ہیں۔ دنیا کے تمام مذاہب دوسروں کی مدد کو اولین ترجیح دیتے ہیں۔ اسلام پر زور تاکید کرتا ہے کہ دوسروں کی مدد کرو اور ضرورت مندوں کا خیال رکھو۔

محبت کی ہر کسی کی ضرورت ہے، اس میں رنگ، نسل، عقیدے اور ثقافت کا کوئی امتیاز نہیں۔ مولانا جلال الدین رومی فرماتے ہیں کہ زندگی کے سفر میں ہر کسی کو محبت کی ضرورت ہے جیسے آپ کو محبت کی ضرورت

کر سکے وہ بہت ہی عظیم اور غیر معمولی انسان ہے۔

☆ وہ دولت سے محبت کرتا ہے۔

☆ جب تک بچے نابالغ ہوتے ہیں والدین ان

☆ اسے تو اپنے جوتوں سے پیار ہے۔

☆ سے غیر مشروط محبت کرتے ہیں لیکن اس کے لئے والدین

☆ انہیں تو لڑائی کرنا پسند ہے۔

☆ یہ لفظ محبت کی تو بین ہے بلکہ یہاں لفظ محبت

☆ بہت ہی کمزور ہو جاتا ہے۔ اپنے اصل معنی اور طاقت

☆ کھودیتا ہے۔ دولت سے محبت کرنا محبت نہیں ہے۔ دولت

☆ بنیادی ضرورت نہیں، ہوس ہے اس لئے یہ محبت نہیں ہے۔

☆ مادی چیزوں سے بھی محبت نہیں کی جاسکتی تو یہ جذبات کی

☆ تسکین اور لالچ ہے، اس لئے اس کو محبت نہیں کہا جاسکتا۔

☆ جب انسان بستر مرگ پر ہوتا ہے تو کوئی انسان نہیں کہتا کہ

☆ مجھے تو زیادہ اچھے کپڑوں کی ضرورت ہے۔ یہاں وہ محبت

☆ کے نہ ملنے کا افسوس کرے گا یا اپنے بچوں کی غلطیوں کی

☆ نشاندہی کرے گا جنہوں نے اس سے محبت نہیں کی تھی۔

☆ فطرت سے محبت کرنا، اپنے بچوں سے محبت

☆ کرنا، اپنے کام سے محبت کرنا ان تمام کے لئے قربانیوں

☆ کی ضرورت ہوگی۔ جہاں محبت کی کمی ہوگی وہاں ماحول

☆ کشیدہ ہوگا، تمام رشتوں میں غم اور افسوس حاوی ہوگا۔ اگر

☆ ہم محبت کے خلا کو پر کر دیں تو وہاں سے غم دور بھاگ

☆ جائیں گے اور چہرے شادماں ہو جائیں گے۔

☆ موجودہ زمانے میں فلم، ٹیلی ویژن اور گھٹیا ادب

☆ نے محبت کے مفہوم کو بدل کر رکھ دیا ہے اس میں دکھایا جاتا

☆ ہے کہ کتنی جلدی محبت ہو جاتی ہے اور محبت صرف تشدد سے

☆ حاصل کی جاتی ہے، یہ تمام تصورات محبت کو بدنام کرتے

☆ ہیں۔ محبت تو ایک لطیف جذبے کا نام ہے۔ یہ دوسروں کے

☆ دلوں اور روحوں کو روشن کر دیتا ہے اس لئے جب کسی کو محبت

☆ دی جاتی ہے تو اس کے جواب میں محبت لی بھی جاتی ہے۔

☆ محبت کا اظہار

☆ سچی محبت بے لوث ہوتی ہے یہ ہر پابندی سے

☆ آزاد ہوتی ہے۔ سچی محبت بہت سی شاندار مثبت تبدیلیاں پیدا

☆ کیا کیا محبت نہیں ہے

☆ بعض دفعہ محبت کے لفظ کا غلط استعمال کیا جاتا

☆ ہے آپ نے اکثر سنا ہوگا کہ

محبت کے صحیح مستحق ہوتے ہیں۔ جنہیں محبت دے کر آپ ثابت انسان بنا سکتے ہیں۔ معاف کر دینا بھی محبت کا بہترین اظہار ہے اس سے آپ کا خوف بھی ختم ہو جاتا ہے۔ جب ہم دوسرے لوگوں کے سامنے کسی کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں تو اس سے نفرت بڑھتی ہے۔ اگر وہی بات ہم اسے اکیلے میں کہیں تو وہ اپنی غلطی کا احساس کر کے آپ سے متفق ہو جائے گا اور اس سے محبت بڑھے گی۔ جب ہم کسی کے دکھ میں شریک ہو کر اس کو حوصلہ دیتے ہیں، اس کے ساتھ ہمدردی رکھتے ہیں تو یہ بھی محبت کا بہترین اظہار ہے۔ ہم کسی کی کامیابی پر اسے مبارکباد دیتے ہیں یا مبارک باد کا پیغام بھیجتے ہیں تو یہ بھی محبت کا خوبصورت اظہار ہے۔ ہمارا یہی محبت کا اظہار دوسرے کے حوصلے کو بڑھاتا ہے اور پھر دوسرا شخص بھی آپ سے محبت کرنے لگتا ہے۔ آپ اپنے دوستوں، رشتے داروں اور خاندانوں کے افراد کے لئے جو کچھ عملی طور پر کرتے ہیں یہ بھی آپ کا ان کے لئے اظہار محبت ہے۔

کرتی اور انسانی ذات کی نشوونما کرتی ہے۔ سچی محبت وقت سے ماورا ہوتی ہے یہ مسلسل ہوتی ہے اور اس کے اثرات مرنے کے بعد بھی قائم رہتے ہیں۔ محبت کا اظہار لفظوں میں نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی محبت کی گہرائی میں جھانک کر دیکھا جاسکتا ہے۔ محبت دینے اور محبت لینے کے لئے بہت کوشش کرنا پڑتی ہے۔ اکثر لوگ کہتے ہیں کہ ہم بہت مصروف ہیں اس لئے دوسرے لوگوں سے محبت کے لئے وقت نکال نہیں سکتے۔ لیکن وہ شاید نہیں جانتے کہ محبت حوصلہ بڑھاتی ہے اور غیر مشروط محبت بہت طاقتور ہوتی ہے۔ محبت صلاحیتوں کو بڑھادیتی ہے اور کام کو آسان کر دیتی ہے۔

محبت ایک عظیم تحفہ ہے جو آپ اپنے قریبی لوگوں کو دے سکتے ہیں۔ جب ہم کسی کو ماضی کی غلطیوں کے حوالے سے معاف کر دیتے ہیں تو یہ بھی محبت کا اظہار ہے۔ معافی اور معذرت حیرت انگیز مثبت نتائج پیدا کرتے ہیں کیونکہ کوئی انسان بھی کامل نہیں ہے۔ اکثر ہم ان لوگوں کے قریب جانے سے ڈرتے ہیں جنہوں نے ماضی میں آپ کو نقصان پہنچایا ہوتا ہے جبکہ ایسے لوگ آپ کی توجہ اور

تنظیمات و کارکنان متوجہ ہوں!

قائد ڈے نمبر فروری 2012ء 2nd ایڈیشن کی اشاعت

قائد ڈے نمبر فروری 2012ء کی غیر معمولی پذیرائی اور اندرون و بیرون ملک سے مزید ڈیمانڈ پر اس خصوصی شمارے کا 2nd ایڈیشن شیخ الاسلام کے حالیہ دورہ بھارت کی رپورٹ کے اضافہ کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔ اس خصوصی شمارے میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی حقیقی اسلامی تعلیمات کے فروغ پر مبنی مذکورہ خدمات سے ہر سطح پر عوام الناس کو آگاہ کرنے کے لئے تمام تنظیمات و کارکنان اپنا کلیدی کردار ادا کریں اور اپنے علاقوں میں موجود ہر طبقہ زندگی کی نمایاں شخصیات، قومی و نجی تعلیمی اداروں، لائبریریوں، علماء، مشائخ اور سیکولر سٹاک اسٹاک اس خصوصی شمارے کو پہنچائیں۔ اس شمارے کی قیمت 100 روپے مقرر کی گئی ہے۔ آپ کو یہ شمارہ کتنی تعداد میں درکار ہے؟ اس بارے میں درج ذیل نمبرز پر فوری طور پر مطلع کریں تاکہ VP کے ذریعے یہ شمارہ آپ کو جلد از جلد پہنچایا جاسکے۔

0300-8886334, 0300-8105740, 042-111-140-140 Ext:128

ماہنامہ منہاج القرآن 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور

کامیاب لوگوں کی خصوصی عادات

ترجیحات کا تعین کرنا

قسط: 12

☆ شفاقت علی شیخ

قارئین کے پسندیدہ اس سلسلہ وار مضمون میں امریکن رائٹر ”سٹیفن آرکوونے“ کی تحریر Seven Habits of highly effective people کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں بیان کیا جا رہا ہے۔ اس مضمون کا یہ سلسلہ ماہنامہ منہاج القرآن میں جنوری 2011ء سے جاری ہے اور اب تک دو خصوصی عادات ”ذمہ داری قبول کرنا“ اور ”انجام پہ نظر رکھنا“ کو مختلف جہات سے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ کامیاب لوگوں کی خصوصی عادات میں سے تیسری عادت ”ترجیحات کا تعین“ کا تیسرا حصہ نذر قارئین ہے۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَى رَبِّكَ

كَدْحًا فَمَلِّقِيهِ. (الانشقاق: ٦)

”اے انسان! تو اپنے رب تک پہنچنے میں سخت مشقتیں برداشت کرتا ہے بالآخر تجھے اسی سے جاملنا ہے۔“
نیز فرمایا کہ وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى. (النجم: ٣٩)
”اور یہ کہ انسان کو (عدل میں) وہی کچھ ملے گا جس کی اُس نے کوشش کی ہوگی (رہا فضل اس پر کسی کا حق نہیں وہ محض اللہ کی عطاء و رضا ہے جس پر جتنا چاہے کر دے)۔“

مطلب یہ ہے کہ انسان جس میدان میں جس درجے کی کوشش اور جدوجہد کرے گا اُس میدان میں اُسی طرح کے نتائج وہ حاصل کرے گا۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک اور مقام پر فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ.
”بے شک اللہ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا

کامیاب اور ناکام لوگوں میں بڑا فرق یہی ہے کہ ناکام لوگ اپنی طبیعت کی سہل پسندی کے ہاتھوں مجبور ہو کر وقتی لذتوں، راحتوں اور آسائیوں کی تلاش میں زیادہ تر وقت سستی، کاہلی اور بے مقصد مگر دلچسپ کاموں میں صرف کرتے ہیں جب کہ کامیاب لوگ اپنے وقتی جذبات و احساسات پر قابو کر کے آسائیوں سے باہر نکل کر زیادہ سے زیادہ وقت مشکل اہم اور بامقصد کاموں کو کرنے میں صرف کرتے ہیں اور نتیجتاً ہر آنے والے دن میں مضبوط سے مضبوط تر ہوتے چلے جاتے ہیں۔

اس حوالے سے قرآن و حدیث کی تعلیمات ہمیں رہنمائی فراہم کرتی ہیں۔ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں زندگی کی نوعیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي كَبَدٍ. (البلد: ٤)

”بے شک ہم نے انسان کو مشقت میں (بتلا رہنے والا) پیدا کیا ہے۔“

shafaqatalisheikh@yahoo.com

☆

یہاں تک کہ وہ لوگ اپنے آپ میں خود تبدیلی پیدا کر ڈالیں۔ (الرعد: ۱۱)

ایک اور مقام پر فرمایا:

وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ. (النازعات: ۴۰)

”اور جو شخص اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرتا رہا اور اُس نے (اپنے) نفس کو (بری) خواہشات و شہوات سے باز رکھا۔“

اب نفس کی خواہشات کیا ہیں! وہ تمام کام جن میں ہمیں مزہ آتا ہے اور شریعت نے انہیں ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

حُجِبَتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ وَحُجِبَتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارَةِ. ”جہنم کو نفس کی شہوتوں سے ڈھانپ دیا گیا ہے اور جنت کو اُن کاموں سے ڈھانپ دیا گیا ہے جو نفس پر گراں گزرتے ہیں۔“

مطلب یہ کہ جتنا زیادہ انسان نفس کی لذتوں، ذائقوں، چسکوں اور اس کی جائز و ناجائز خواہشات کی تکمیل میں مصروف ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ وہ جہنم سے قریب ہوتا جا تا ہے اور اس کے برعکس وہ کام جو نفس پر بوجھ محسوس ہوتے ہیں اور جنہیں کرنا ہماری طبیعت پر گراں گزرتا ہے اُن کاموں کو کرنے سے انسان جنت کے قریب ہوتا جاتا ہے۔

ہر روز فجر کی اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم (نماز نیند سے بہتر ہے) کے الفاظ دہرائے جانے کا مقصد بھی یہی بتانا ہے کہ نیند جو کہ ہمارے نفس کی خواہش ہے اُسے چھوڑ کر نماز جو کہ ہمارے رب کی پکار ہے اُس کی طرف آنا زیادہ بہتر ہے۔ حضور ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجے وقت بڑی خوبصورت نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

”اپنے آپ کو لذت طلبی سے بچانا۔ اللہ کے بندے لذتوں کے عادی نہیں ہوتے۔“

حضور ﷺ نے فرمایا:

الدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ.

”دنیا مومن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت“

مطلب یہ کہ مومن کی زندگی پابند ہوتی ہے جب کہ کافر ہر قسم کی اخلاقی پابندیوں سے آزاد ہو کر اپنی نفسانی خواہشات کے تحت زندگی گزارتا ہے۔ دوسری حدیث میں فرمایا ہے کہ

تُحْفَةُ الْمُؤْمِنِ الْمَوْتُ. ”موت مومن کے لیے تحفہ ہے“ کیونکہ بندہ مومن کے لیے دنیا دار الامتحان ہے اور آخرت دار الجزاء ہے۔ موت انسان کو محنت و مشقت والے گھر سے نکال کر جزا والے گھر (جنت) کی طرف لے جانے کا باعث بنتی ہے۔ لہذا مومن کے لیے موت ایک تحفہ ہوتی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ مَعَالِيَ الْأُمُورِ

”اللہ تعالیٰ اعلیٰ امور کو پسند کرتے ہیں“

مطلب یہ ہے کہ بندہ مومن کی زندگی کا ایک ایک لمحہ بہت قیمتی ہے۔ اسے اعلیٰ درجے کے کاموں میں استعمال ہونا چاہیے نہ کہ ادنیٰ، گھٹیا، نلکے، ردی، فضول اور بیکار کاموں میں ضائع ہونا چاہیے۔

یونہی اعلیٰ اقدار پر اپنے آپ کو کار بند رکھنے کے لیے بھی زبردست مجاہدے کی ضرورت ہوتی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

أَيُّهُ الْمَنَافِقُ ثَلَاثٌ. إِذَا حَدَّثَ كَذِبًا وَ إِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ وَ إِذَا تُتِمِّنَ خَانَ.

”منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ بات کرے تو جھوٹ بولتا ہے۔ وعدہ کرے تو پورا نہیں کرتا اور امانت کو ادا نہیں کرتا۔“

گویا مندرجہ بالا تینوں علامات سے ہر ایک بندہ مومن کو اپنے آپ کو سختی سے بچانا چاہیے کیونکہ ہر قسم کے حالات میں سچائی پر کار بند رہنے، وعدہ کو پورا کرنے اور امانت کو پورا ادا کرنا مشکل ہے اور اس کے مقابلے میں

جھوٹ، وعدہ خلافی اور بددیانتی جیسے کام آسان ہیں۔

تنظیم کے کوئی عہدیدار یا رکن بھی ہو سکتے ہیں اور یہ چیز بھی ہم سے ہمارا کردار ادا کرنے کا تقاضا کرے گی۔۔۔ علاوہ ازیں سماج کا ایک اہم فرد ہونے کے ناطے اردگرد کے ماحول اور لوگوں کے حوالے سے بھی ہماری کچھ ذمہ داریاں ہیں جن سے فرار ممکن نہیں ہے۔ ان سب سے بڑھ کر ہماری اپنی ذات ہے کہ مندرجہ بالا تمام کرداروں کو بہترین انداز میں سرانجام دینے کے لیے ہمارے اپنے وجود کا ہر حوالے سے صحت مند اور بہترین حالت میں ہونا ضروری ہے۔ علیٰ ہذا القیاس ہر شخص کی زندگی میں چار پانچ یا کم و بیش کردار ایسے ہوتے ہیں جہاں اُسے اپنا مخصوص اور منفرد کردار ادا کرتے ہوئے زندگی کو با مقصد سرگرمیوں سے مزین کرنا ہوتا ہے اور زندگی کی گاڑی رواں دواں رکھنے کے لیے اپنا حصہ ڈالنا ہوتا ہے۔ ہر شخص کے لیے کامیاب اور موثر زندگی گزارنے اور دنیا و آخرت میں سرخرو ہونے کے لیے اُن مخصوص کرداروں کو پہچانا بہت ضروری ہے۔

ان تمام باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح بلندی کی طرف چڑھنا ہمیشہ محنت و مشقت کا تقاضا کرتا ہے جب کہ پستی کی طرف آنا بہت آسان دکھائی دیتا ہے۔ اسی طرح انسان اگر زندگی کو عروج سے ہم کنار کرنا چاہتا ہے تو اُسے سفلی جذبات، وقتی لذات اور پست خواہشات سے اوپر اٹھ کر اعلیٰ مقاصد کے لیے مسلسل اور متواتر جدوجہد کرنی ہوگی جس کے لیے اہم و غیر فوری کاموں میں زیادہ سے زیادہ وقت صرف کرنا بہت ضروری ہے۔

اہم و غیر فوری کاموں کیلئے خود انتظامی

اس سلسلے میں اپنے آپ کو منظم کرنے اور اس سے متعلقہ سرگرمیوں کو بھرپور انداز میں سرانجام دینے کے لیے مندرجہ ذیل تین چیزوں کو ملحوظ خاطر رکھنا پڑے گا۔

۱۔ کرداروں کی شناخت

سب سے پہلے ہمارے لیے بہت ضروری ہے کہ ہم باریک بینی سے جائزہ لیتے ہوئے زندگی میں اپنے اہم کرداروں کو تلاش کریں اور معلوم کریں کہ وہ کون کون سی جگہیں ہیں جہاں ہم اپنی صلاحیتوں اور استعدادوں کو استعمال میں لاتے ہوئے کوئی مخصوص کردار ادا کر سکتے ہیں۔ ایسا کردار جو ہمارے سوا اور کوئی سرانجام نہیں دے سکتا۔ مثلاً ہم کسی گھر کے سربراہ ہو سکتے ہیں۔ اس حوالے سے ہماری کچھ مخصوص ذمہ داریاں بھی ہوں گی جنہیں بہر حال ہم نے ہی ادا کرنا ہوگا۔ ہمارے علاوہ کوئی اور شخص ان ذمہ داریوں کو اتنے احسن طریقے سے نہیں سرانجام دے سکتا۔۔۔ اسی طرح ہم کسی دفتر میں کسی خاص عہدے پر مامور ہو سکتے ہیں۔ اس حوالے سے بھی ہمارا ایک مخصوص کردار ہے۔۔۔ یا اگر ہم نے کوئی اپنا بزنس شروع کر رکھا ہے تو اُس کے اپنے تقاضے ہیں۔ یہ ہماری دوسری نمایاں حیثیت ہوگی۔۔۔ اس طرح ہم کسی مذہبی، رفاہی یا فلاحی

۲۔ اہداف کا یقین

زندگی میں اپنے مخصوص کرداروں کو شناخت کر لینے کے بعد ہمیں اُن کے حوالے سے اہداف کا تعین کرنا ہوگا تاکہ اُن اہداف کو حاصل کرنے کے لیے لائحہ عمل کو تشکیل دیا جاسکے۔ مثلاً ایک شخص اپنے تمام کرداروں کو بہتر انداز میں سرانجام دینے کے لیے اپنی جسمانی، ذہنی، قلبی اور روحانی صلاحیتوں کو بہتر بنانا چاہتا ہے تو اُسے اس حوالے سے متوازن غذا، ورزش، نیند، مطالعہ، غور و فکر عبادات وغیرہ کی طرف توجہ دینا ہوگی اور اُن کے لیے وقت نکالنا ہوگا۔ ایک شخص کسی دفتر کا سربراہ ہے اور وہ اپنے دفتر کے حالات کو مثالی انداز میں چلانا چاہتا ہے تو اُسے لازماً کچھ اہداف طے کرنا ہوں گے اور اُن کے حصول کے لیے لائحہ عمل کا تعین کرنا ہوگا۔ الغرض ہم جو کچھ بھی ہیں ہمیں یہ طے کرنا ہوگا کہ ہم جس جس شعبے میں بھی ہیں اُسے کہاں تک پہنچانا چاہتے

ہیں اور کون کون سے اہداف حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

۳۔ شیڈول بنانا

تیسرا اہم کام اپنے اہداف و مقاصد کے حصول کے لیے نظام الاوقات کا تعین کرنا اور اہم کام کے لیے وقت مقرر کرنا ہے۔ یہ شیڈول ہفتہ وار بنیاد پر بنانا زیادہ موزوں رہے گا۔ روزانہ کی بنیاد پر بنانا ایک دوسرے اور ماہانہ بنیادوں پر بنانے میں کئی پیچیدگیاں اور قباحتیں ہیں۔ لہذا ہفتہ کو وقت کی ایک مناسب اکائی سمجھتے ہوئے اس بنیاد پر شیڈول بنانا آسان ہے۔ تاہم اسے اپنا روزانہ کی بنیاد پر جائے گا۔ اس حوالے سے اہم بات یہ ہے کہ شیڈول کو اتنا سخت نہیں ہونا چاہیے کہ انسان بالکل ہی ایک مشین بن کر رہ جائے۔ اُس میں چھوٹے موٹے ضمنی کاموں کے لیے بھی گنجائش ہونی چاہیے۔ نیز تمام کرداروں کے حوالے سے ایک توازن دکھائی دینا چاہیے۔ کسی ایک شعبے پر اتنی زیادہ توجہ نہ دی جائے کہ بقیہ نظر انداز ہو جائیں۔ تاہم وقت کی تقسیم کاموں کی اہمیت کے لحاظ سے ہوگی۔ پھر بعض کام روزانہ کی بنیاد پر ہوں گے۔ بعض روزانہ کی بجائے مخصوص دنوں میں سرانجام دیئے جائیں گے۔ اور بعض ایسے بھی ہوں گے جن کے لیے کوئی ایک خاص دن مخصوص ہوگا۔ بہر حال روزانہ کی بنیاد پر کیے جانے والے کاموں، مخصوص دنوں میں سرانجام دیئے جانے والے کاموں اور کسی خاص دن میں سرانجام دیئے جانے والے کاموں میں سے ہر ایک کے متعلق طے ہو کہ کون سا کام کس دن کے کس وقت میں ہوگا۔

بعض اوقات کسی ہنگامی حالت (Emergency) یا مجبوری کی بنا پر شیڈول میں ردوبدل کرنا پڑے، کسی معمول کی تقدیم و تاخیر کرنی پڑے یا کسی کو کسی وقت ترک کرنا پڑے تو اس پر دل برداشتہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے اور مایوس ہو کر سارے پروگرام کو ہی ترک نہیں کر دینا چاہئے بلکہ مجبوری کو مجبوری کی حد تک ہی

رکھتے ہوئے حالات کے نشیب و فراز کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنے طے شدہ پروگرام پر کاربند رہنا چاہیے۔ شیڈول چھ دن کا بنانا چاہیے اور ساتویں دن کو فری رکھنا چاہیے تاکہ طبیعت یکسانیت اور اکتاہٹ کا شکار نہ ہو جائے۔

ہفتے کے اختتام پر (چھٹی والے دن) ہفتہ بھر کی کارکردگی کا جائزہ لیا جائے کہ کس حد تک عمل ہو سکا اور کس حد تک نہیں۔ مطلوبہ اہداف و مقاصد کو کس حد تک حاصل کیا جا سکا۔ کہاں کہاں مجبوریاں اور رکاوٹیں تھیں اور کہاں کہاں کوتاہیاں اور لغزشیں سرزد ہوئیں پھر اُن سب کی روشنی میں نئے جوش و خروش سے آئندہ ہفتے کی پلاننگ کی جائے اور اُس پر حتی الوسع کاربند رہنے کا عزم مصمم کیا جائے۔

تنظیم الاوقات کے تین بنیادی ضابطے

زندگی کی آوازیوں اور پراگندگیوں کو ختم کر کے اُسے نظم و ضبط کی لڑی میں پرونا اگرچہ کافی حد تک مشکل کام ہے تاہم اگر مندرجہ ذیل تین بنیادی ضابطوں کو ملحوظ خاطر رکھا جائے اور انہیں اس سفر کے نکتہ آغاز کے طور پر اپنایا جائے تو یہ کام خاصا آسان ہو جاتا ہے۔

۱۔ پہلا ضابطہ: نماز کے اوقات کی پابندی کرنا۔ یعنی ہر نماز کو حتی الوسع اُس کے مقررہ وقت میں جماعت کے ساتھ ادا کرنے کی کوشش کرنا۔ اس سے انسان زندگی میں بہت زیادہ نظم و ضبط (Displine) آتا ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جتنا زیادہ انسان اپنی نمازوں کے اوقات منضبط کرتا چلا جاتا ہے اتنا ہی انسان کی دیگر سرگرمیاں نظم و ضبط کے دائرے میں آتی جاتی ہیں۔

۲۔ دوسرا ضابطہ: کھانے پینے کے اوقات مقرر کرنا اور حتی الوسع اُن کی پابندی کرنا۔ کھانے پینے کے اوقات کی پابندی سے بھی انسانی زندگی نظم و ضبط کی پابند ہوتی چلی جاتی ہے۔ لہذا زندگی کی سرگرمیوں کو منضبط کرنے کے لیے کھانے پینے کے اوقات کو مقرر کرنا اور حتی الوسع اُن کی

پابندی کرنا بہت ضروری ہے تاہم یہاں بھی طبیعت کی راحت و آسانی کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے چھٹی والا دن پابندی سے مستثنیٰ قرار دیا جاسکتا ہے۔

۳- تیسرا ضابطہ: سونے جاگنے کے اوقات مقرر کرنا اور حتیٰ الوسع اُن کی پابندی کرنا۔ ایسا کرنے سے بھی انسان کی وقت پر گرفت مضبوط ہوتی ہے اور اوقات کو نظم و ضبط کی لڑی میں پرونے میں کافی مدد ملتی ہے۔ بالخصوص رات کو جلد سونے اور صبح کو جلد اٹھنے کی عادت ڈالنا اور اس پر باقاعدگی اور دوام اختیار کرنا انسان کو اپنے آپ کو بہتر طریقے سے استعمال میں لانے پر بہت معاون ثابت ہوتا ہے۔

مندرجہ بالا تینوں ضابطوں کو انسان جتنا زیادہ مضبوطی سے تھام لے گا اتنا ہی بقیہ اوقات کی پابندی آسان ہوتی چلی جائے گی اور شیڈول پر عمل کرنا اور وقت کا بہتر استعمال ممکن ہوتا چلا جائے گا۔ (انشاء اللہ العزیز)

عملی مشورہ

تیسری عادت ”ترجیحات کا تعین“ پر بہترین انداز میں عمل پیرا ہونے اور اس سے بطریق احسن استفادہ کرنے کے لیے چند عملی مشورہ جات درج ذیل ہیں۔

۱- تیسری عادت ”ترجیحات کا تعین“ کی بنیاد پہلی دو عادتیں ”ذمہ داری قبول کرنا“ اور ”انجام پر نظر رکھنا“ ہیں۔ جب تک اُن دونوں کو نہیں اپنایا جائے گا اس سے کماحقہ فائدہ اٹھانا ممکن ہی نہیں ہے۔ لہذا واپس لوٹیں اور پلٹ کر دیکھیں کہ آپ نے اُن دونوں عادتوں کو کس حد تک اپنے دل و دماغ میں اتار لیا ہے اور اپنے کردار اور عمل کا حصہ بنا لیا ہے۔ اس حوالے سے جو کمیاں ہیں انہیں دور کریں۔

۲- تیسری عادت ”ترجیحات کا تعین“ میں دو چیزیں بالخصوص شامل ہیں:

(۱) اقدار کی حفاظت (۲) اوقات کی حفاظت

ان دونوں چیزوں پر کار بند ہونے کے لیے ضبطِ نفس اور قوتِ ارادی کی ضرورت ہے۔ قوتِ ارادی کو

بڑھانے کا آسان ترین طریقہ اپنی ذات اور دوسروں کے ساتھ کیے ہوئے وعدوں کی پاسداری کرنا ہے۔ لہذا اپنے ساتھ اور دوسروں کے ساتھ موقع بہ موقع ایسے وعدے کریں جو نبھائے جاسکتے ہوں اور پھر حتیٰ الوسع اُن کی پاسداری کریں۔ اس سے انسان کی قوتِ ارادی مضبوط ہوتی چلی جاتی ہے۔ مثلاً صبح کو اٹھنے کے لیے الارم کا وقت بہت سوچ سمجھ کر طے کریں لیکن جو وقت طے کر لیں پھر ہمت سے اُس وقت اٹھ جائیں۔ اس کا آپ کے اپنے تصورِ ذات (Self Image) پر بہت اچھا اثر پڑے گا اور شخصیت میں مضبوطی اور استحکام آئے گا۔

۳- کسی فارغِ وقت میں بیٹھ کر وقتِ نظر اور باریک بینی کے ساتھ زندگی کا بغور جائزہ لیں کہ وقت کہاں صرف ہو رہا ہے۔ کتنا وقت سستی اور کاہلی کی وجہ سے ضائع ہو رہا ہے اور کتنا وقت ادنیٰ، ردی اور فضول کاموں میں صرف ہو رہا ہے نیز اُس وقت کو کس طرح بچایا جاسکتا ہے یا اُس میں کمی لائی جاسکتی ہے یہ بھی دیکھیں کہ وہ کون کون سے ایسے اہم کام ہیں کہ جن کو کرنے سے زندگی میں بڑی خوشگوار تبدیلیاں آسکتی تھیں لیکن آج تک انہیں نہیں کیا جا سکا۔ اُن میں سے کس کس کام کو اب شروع کیا جاسکتا ہے۔

۴- روزانہ صبح کے ابتدائی وقت میں سے چند منٹ تجدیدِ عزم پر صرف کریں۔ اپنی ذات کے ساتھ عہد کریں کہ آج کا دن بہترین انداز میں استعمال کریں گے۔ اپنے اوقات اور اقدار کی حتیٰ الوسع حفاظت کرنی ہے۔ پھر دن کے اختتام پر چند منٹ کے لیے دن بھر کی کارکردگی کا جائزہ لیں۔ کیا کھویا اور کیا پایا۔ کہاں کہاں پر اپنے کیے گئے فیصلوں پر عمل کیا اور کہاں کوتاہیاں ہوئیں۔ جو مثبت باتیں نظر آئیں اُن پر اللہ کا شکر ادا کریں اور جو منفی باتیں نظر آئیں اُن پر دل شکستہ اور مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ توبہ و استغفار کا دروازہ کھلا ہوا ہے، سچے دل سے اللہ تعالیٰ سے دن بھر کی غلطیوں، کوتاہیوں اور لغزشوں کی معافی مانگیں اور آئندہ کے لیے اُن کی اصلاح اور بہتری کا عزم کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حامی و ناصر ہوگا۔ (ان شاء اللہ العزیز)

رفاقت زندگی ہے

محترم واصف علی واصف کی کتاب ”دل دریا سمندر“ میں ”رفاقت“ کے عنوان سے موجود یہ خوبصورت تحریر دوستی، رفاقت اور صحبت کی افادیت اور تقاضوں کو اجاگر کرتی ہے۔ تحریک منہاج القرآن کے رفقاء خوش قسمت ہیں کہ انہیں وحسن اولئک رفیقہا کے مصداق عظیم رفاقت کا شرف حاصل ہے۔ تحریک منہاج القرآن کے اس سفر میں ہم اللہ رب العزت اور آقا دو جہاں ﷺ کے فرامین کی روشنی میں ایک اعلیٰ مقصد کے حصول کے لئے ایک دوسرے سے منسلک ہیں۔ ہمارا آپس کا یہ تعلق، وابستگی اور رفاقت الحمد للہ تعالیٰ دنیاوی مفادات کے حصول سے ماوراء احیائے اسلام، تجدید دین اور اصلاح احوال کے لئے ہے۔

اس تحریر کے تناظر میں ہمیں غور کرنا ہے کہ کیا ہم اس رفاقت کا حق ادا کر رہے ہیں۔۔۔؟ رفاقت جن چیزوں کا تقاضا کرتی ہے کیا ہمیں اس کا ادراک ہے۔۔۔؟ کیا ہمارا یقین، اعتماد اور تحریک و قائد تحریک سے وفا اس درجہ کی ہے کہ ہم رفاقت کے حقیقی ثمرات سمیٹ سکیں۔۔۔؟ ہم تحریک سے رفاقت کو اللہ تعالیٰ، نبی اکرم ﷺ اور اولیاء و صلحاء سے رفاقت قرار دیتے ہیں، کیا ہم اس کے تقاضوں کو بھی پورا کر رہے ہیں۔۔۔؟

اگر ان سوالات کے جوابات ”ہاں“ میں ہیں تو ہمیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ شکر بجا لانا ہوگا اور اس خوبصورت رفاقت میں استقامت کیلئے دعا کرنا ہوگی اور اگر ان سوالات کے جوابات ”نہیں“ میں ہیں تو ہمیں اپنے طرز عمل پر غور و فکر کرتے ہوئے جذبات، نعروں، تقریروں اور عقیدت کے ساتھ ساتھ عملی طور پر بھی آگے بڑھنا ہوگا۔

ہے۔ لامکاں میں رہنے والا تنہا رہ سکتا ہے لیکن زمین پر رہنے والا تنہا نہیں رہ سکتا۔ یہ انسان کی ضرورت بھی ہے اور اس کی فطرت بھی۔

انسان کسی مقام پر تنہا نہیں رہ سکتا۔ قبل از پیدائش اور بعد از مرگ کے حالات تو اللہ ہی جانتا ہے لیکن زندگی میں انسان پر کوئی دور ایسا نہیں آتا جب وہ تنہا ہو، نہ جنازہ تنہا، نہ شادی تنہا۔

رات کے گہرے سناٹے میں اپنی کرسی پر اکیلا

رفاقت کی تمنا سرشتِ آدم ہے۔ انسان کو ہر مقام پر رفیق کی ضرورت ہے۔ جنت بھی انسان کو تسکین نہیں دے سکتی، اگر اس میں کوئی ساتھی نہ ہو، کوئی اور انسان نہ ہو، کوئی ہماز نہ ہو، کوئی سننے والا نہ ہو، کوئی سنانے والا نہ ہو۔ آسمانوں پر بھی انسان کو انسان کی تمنا رہی اور زمین پر بھی انسان کو انسان کی طلب سے مفرمکن نہیں۔

تنہائی صرف اسی کو زیب دیتی ہے جو ”لا شریک“ ہے، جو ماں باپ اور اولاد سے بے نیاز

آپ سے۔ عظیم انسان اپنے حبیب پر غیر متزلزل اعتماد کے سہارے عظیم ہوتے ہیں۔

انتخاب رفیق سے پہلے تحقیق کر لینا جائز ہے، لیکن کسی کو دوست کہہ لینے کے بعد اسے کسی آزمائش سے گزارنا بددیانتی ہے۔ دوست کے ساتھ صرف ایک ہی سلوک روا ہے اور وہ وفا ہے وفا کرنے والے کسی کی بے وفائی کا گلہ نہیں کرتے۔ اپنی وفا کا تذکرہ بھی وفا کے باب میں ابتدائے جفا ہے۔

رفاقت قائم رکھنے کے لئے انسان کو نہ ختم ہونے والا حوصلہ ملا ہے۔ رفاقتیں گردش حالات سے متاثر نہیں ہوتیں۔ رفاقت صعوبتوں کی گھاٹیوں سے گنگنائی ہوئی گزرتی ہے۔ کائنات کی ہر شے میں ہمہ وقت تغیر ہے، لیکن رفاقت کے خمیر و ضمیر میں استقامت کا جوہر ہے۔ رفاقتوں کا مفروز زندگی سے فرار کرتا ہے۔

جس کو زندگی میں سچا اور سچا دوست نہ ملا ہو، اس جھوٹے انسان نے اپنی بدبختی کے بارے میں اور کیا کہنا ہے؟ انسان کا جہان رفاقتوں کا جہان ہے۔ یہ وفاؤں کی داستان ہے، رشتوں کی تقدیس ہے، سماجی اور دینی رابطوں کی تفسیر ہے۔ خوش نصیب ہے وہ انسان جس کا ہمسفر اس کا ہم خیال ہو۔

خدا سے لو لگانے والے مخلوق خدا سے الگ بیٹھ کر عبادت کے درجات حاصل کرنے کے بعد مخلوق خدا کے پاس واپس لوٹا دیئے جاتے ہیں تاکہ مخلوق کی راہنمائی کریں۔ تنہائیوں سے واپسی ہی رفاقت کی اہمیت کا ثبوت ہے۔ پیغمبروں نے پسندیدہ رفاقتوں کی دعائیں فرمائیں، کوئی عابد عبادت کی غرض سے جنگل میں تنہا بیٹھ جائے تو بھی تنہا نہ رہ سکے گا۔ کچھ ہی عرصے بعد اس کے گرد انسانوں کا ہجوم اکٹھا ہو جائے گا۔ آستانہ بنے گا، عبادت گاہ بنے گی، لنگر خانے کھل جائیں گے اور طالبان حق و صداقت اس ویرانے میں بہتی آباد کریں گے۔

بیٹھا ہوا انسان بھی اکیلا نہیں ہوتا۔ اسے ماضی کی صدائیں آتی ہیں۔ اس کے ساتھ وہ نظارے ہوتے ہیں جو اس کے سامنے نہیں ہوتے۔ یادوں کے گلاب کھلتے ہیں۔ جلتی بجھتی آنکھوں کے طلسمات وا ہوتے ہیں۔ حسین پیکروں کے خطوط ابھرتے ہیں، ڈوبتے ہیں۔ گزرے ہوئے ایام پھر سے رخصت ہونا شروع ہوتے ہیں۔ خشک شاخیں زخموں کی طرح پھر سے ہری ہوتی ہیں اور اس سناٹے میں آوازیں ہی آوازیں آنی شروع ہوتی ہیں اور یوں تنہائی ممکن نہیں ہوتی۔

رفاقت کی افادیت سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان اپنی صفات اور اپنی صلاحیتوں کا جائزہ لے۔ ہماری ہر صلاحیت، رفاقت کی محتاج ہے۔ ہماری گویائی سماعتِ رفیق کی محتاج ہے۔ ہماری سماعتِ آوازِ دوست کی منتظر رہتی ہے۔ ہماری نگاہِ دوست کے چہرے سے خوراک لیتی ہے، ہمارا چہرہ مرکزِ نگاہِ یار ہوتا ہے، ہمارے افکار دوست کو روشنی دیتے ہیں اور ہم اس کی فکر سے پرورش پاتے ہیں۔ دل ہمارا ہوتا اور درد دوست کا۔ ہماری خوشیاں شرکتِ حبیب سے دوبالا ہوتی ہیں اور ہمارے غم، نغمسار کے تقرب سے کم ہوتے ہیں۔ ہمارا سفر ہمارے ہمسفر کی معیت سے بامعنی و پر رونق ہوتا ہے۔ ہمارا قیام اسی چراغ سے منور ہوتا ہے۔ دوست کی توجہ اور اس کا تعاون ہمیں عروج کی منازل سے آشنا کرتا ہے۔ ہمارے منصوبے ہماری زندگی میں اور ہماری زندگی کے بعد بھی ہمارے دوست کی نگرانی سے پروان چڑھتے ہیں۔

دوست سے گفتگو حکمت و دانائی کے رموز آشکار کرتی ہے۔ ہمارے ظاہر و باطن کا نکھار جمال ہم نشین سے متاثر ہوتا رہتا ہے۔ ہماری عبادت بھی رفاقت سے سعادت حاصل کرتی ہے۔ ہماری تمام دعائیں اجتماعی ہیں اور اجتماع کی بنیاد رفاقتوں کے فیض سے قائم ہے۔

وہ انسان جس نے رفیق سے وفا نہ کی، کسی سے وفا نہیں کر سکتا، نہ دین سے، نہ خدا سے، نہ خود اپنے

ہے۔ بھائی بھائی سے بیگانہ ہے، رشتوں کی تقدیریں پامال ہو چکی ہے۔ افسر ماتحت کا خیال نہیں رکھتا، ماتحت افسر کا لحاظ نہیں رکھتا، استاد شاگردوں سے، شاگرد استادوں سے نالاں ہیں۔ ڈاکٹر مریض کی نبض پر ہاتھ رکھنے سے پہلے اس کی جیب پر ہاتھ رکھتا ہے۔ عجیب بے حسی کا دور ہے، رفاقت ختم ہو رہی ہے۔

ملتیں پائیدار رفاقتوں سے بنتی ہیں۔ رفاقت میسر نہ ہو تو عناصر ملت میں ظہور ترتیت ممکن ہی نہیں۔ اینٹ کا اینٹ سے ربط ختم ہو جائے تو دیواریں اپنے بوجھ سے گرنا شروع ہو جاتی ہیں۔ ملت کے تشخص کی تلاش دراصل اپنے رفیق کی تلاش کا نام ہے۔ دیار حبیب ہی محبوب ہو سکتا ہے۔ دوست ہی محبت و وفا کا سرچشمہ ہے اور یہ محبت و وفا ملک و ملت کا سرمایہ ہے۔ جس انسان کا ملک میں کوئی دوست نہیں وہ ملک سے دوستی نہیں کر سکتا۔

ملک کی خاطر قربانیاں دینے والے دراصل اپنی وابستگی کے لئے قربانیاں دیتے ہیں۔ جس کی وابستگی ختم ہو جائے، اس کی حب الوطنی مشکوک ہو جاتی ہے۔ کارواں کو غبار راہ میں چھوڑ کر کسی نامعلوم منزل پر پہنچنے والا رہنما دراصل راہزن ہے۔ رہبر وہی ہے جو قافلے کو شادابی منزل سے آشنا کرے۔

زندگی کا خوبصورت میلہ سنگت کے دم سے ہے۔ سنگت نہ ہو تو اس میلے میں ہر انسان اکیلا ہے۔ یہ میلہ خوش نصیبوں کا میلہ ہے، خوش نصیب وہ ہے جو کسی انسان کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ خوش نصیب وہ ہے جو کسی کا منتظر ہے، خوش نصیب وہ ہے جو رفیق طریق کے ہمراہ میلے پر نکلا ہے۔ دل میں رفاقت کی روشنی نہ ہو تو چراغوں کے میلے کس کام کے۔ بہر حال ہمارا رفیق ہی ہمارا میلہ ہے۔ وہی ہمیں زندگی اور موت کے جھیلوں سے نجات دلاتا ہے۔

پیدا ہونے والا بچہ جب آنکھ کھولتا ہے تو سب سے پہلے اسے جو شے نظر آتی ہے، وہ انسانی چہرہ ہے، شفیق چہرہ، نورانی چہرہ، محبت و مسرت سے سرشار ماتما کا مقدس چہرہ۔ اس کے بعد ساری زندگی چہروں کی رفاقت کا سفر ہے۔ ایک انسان کا تقرب ہی انسانیت کا تقرب ہے۔ نیکی، ہمدردی، گناہ، ثواب، سب انسانوں سے وابستہ ہے۔ انسان سے آشنائی خدا شناسی کی گنہ ہے۔ رفاقت کا سرمایہ ہر سرمائے سے افضل ہے۔ انسان، انسان کی خاطر جان پر کھیل جاتا ہے۔ بادشاہ تخت چھوڑ دیتے ہیں، دوست کو نہیں چھوڑتے۔

رفاقتوں کے فیض اعتماد کے دم سے ہیں، بد اعتماد انسان نہ کسی کا رفیق ہوتا ہے، نہ اس کا کوئی حبیب ہوتا ہے۔ بد اعتمادی کی سب سے بڑی سزا یہ ہے کہ انسان کو ایسا کوئی انسان نظر نہیں آتا جس کے تقرب کی وہ خواہش کرے اور نہ وہ خود کو کسی کے تقرب کا اہل سمجھتا ہے۔ تنہائی کی مسافر پیار رحیمیں اذیت کی منزلیں طے کرتی ہیں۔ رفاقت زندگی ہے، فرقت موت ہے۔

آج کے مشینی دور نے انسان کو انسان سے دور کر دیا ہے۔ رفاقت بشری سے محروم انسان مال اور اشیاء کی محبت میں گرفتار ہے۔ وہ نظریات کا قائل ہے، انسان کا قائل نہیں۔ آج کا انسان انسانوں سے بیزار ہے۔ وہ خود سے بیزار ہے، وہ غیر فطری زندگی بسر کر رہا ہے۔ اس پر کربناک تنہائی کا عذاب نازل ہو چکا ہے۔ کوئی کسی سے ہمدردی نہیں رکھتا۔ کوئی کسی کو نہیں پہچانتا۔ کوئی کسی کا بوجھ اٹھانے کو تیار نہیں۔

آج انسانوں کی بھڑ میں ہر انسان اکیلا ہے، ایسے ہی جیسے ایک وسیع سمندر میں بے شمار جزیرے، ایک دوسرے کے آس پاس، لیکن ایک دوسرے سے ناشناس۔ ناشناسی اور نہ آشنائی کی وبا پھیل چکی ہے۔ کوئی کسی کا پُرساں حال نہیں ہے۔ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ سے بے خبر

امریکہ میں عظیم الشان کانفرنسز سے شیخ الاسلام کے خصوصی خطابات

امن برائے انسانیت اور میلاد کانفرنس (نیویارک)

”ایسوسی ایشن آف نارٹھ امریکہ“ (AMNA) اور ”منہاج القرآن انٹرنیشنل امریکہ“ کے زیر اہتمام گزشتہ ماہ عظیم الشان امن برائے انسانیت اور میلاد النبی ﷺ کانفرنس ”ناساؤ کولینزیم لاگ آکس لینڈ نیویارک امریکہ“ میں منعقد ہوئی۔ اس پروگرام میں امریکہ بھر سے 22 ہزار سے زائد احباب نے خصوصی شرکت کی۔ یہ امریکہ کی تاریخ کی سب سے بڑی میلاد کانفرنس تھی۔

کانفرنس کا پہلا سیشن بین المذاہب ہم آہنگی، بقائے باہمی، رواداری اور قیام امن کے حوالے سے انعقاد پذیر ہوا۔ جس میں دیگر مذاہب کے نمائندہ افراد نے خصوصی شرکت کرتے ہوئے اس حوالے سے اظہار خیال کیا۔ پروگرام کے اس حصہ کو انگلش زبان میں Conduct کرتے ہوئے اسلام کے تصور امن، تحمل و برداشت اور دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ تعلقات کے زریں گوشوں کو مختلف حوالوں سے اجاگر کیا گیا۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے ”انسانیت کے لئے اسلام کے پیغام امن و محبت“ کے موضوع پر انگلش زبان میں اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ اسلام نے امن اور تحمل و برداشت کے رویوں کو دنیا میں سب سے پہلے رواج دیا۔ جمہوریت کے بانی حسن انسانیت ﷺ ہیں اور ہجرت کے بعد حضور ﷺ نے جمہوری اصولوں پر دنیا کی پہلی فلاحی ریاست قائم کی جس میں غیر مسلموں کو بھی برابر کے حقوق میسر تھے۔ مسلمان کا مطلب ہمیشہ امن کو قائم کرنے والا اور سلامتی بانٹنے والا ہے اور جو امن و سلامتی کو سبوتاژ کرتا ہے اس کا تعلق نہ حضور ﷺ سے ہے اور نہ قرآن حکیم سے۔ آج جو لوگ جمہوریت کو خلاف اسلام سمجھتے ہیں وہ دین کی روح کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ جمہوریت، انصاف، برداشت، امن اور بقائے باہمی یہ تمام ریاست مدینہ کے بنیادی اجزاء تھے۔ مواخات کے ذریعے عادلانہ معاشی نظام مدینہ کے باسیوں کو میسر تھا۔

اسلام کے چاروں امام اور سکارلز کی غالب اکثریت اس پر متفق ہے کہ اکثریت کی رائے کو درست مان کر فیصلے کئے جائیں۔ پس اکثریت کی رائے کو درست تسلیم کرنے کا تصور مغرب نے نہیں بلکہ دین اسلام نے انسانیت کو دیا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اپر ہاؤس آف مدینہ میں 50 ممبرز (سینٹرز) تھے اور مدینہ کی پارلیمنٹ میں عورتیں ممبر ہوا کرتی تھیں۔ خلفاء راشدین کے دور میں احتساب کورٹ کی سربراہ ایک صحابی خاتون تھیں اور

ایک ملک میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیٹی کو سفیر بنا کر بھیجا گیا۔

اسلام نے پارلیمنٹ کو 1400 سال قبل خود مختاری دی۔ اسلامی ریاست کا حسن تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بطور خلیفہ ایک عورت کی رائے کو درست مانتے ہوئے اپنے موقف سے رجوع کر لیا تھا جبکہ مغرب میں عورت کو ووٹ ڈالنے کا حق 1900ء کے بعد دیا گیا اور اس سے قبل People کے لفظ کا اطلاق صرف سفید مرد پر ہوتا تھا۔

کانفرنس کا دوسرا سیشن اردو زبان میں Conduct کیا گیا۔ اس سیشن میں محترم قاری صداقت علی نے تلاوت اور محترم قاری نور محمد جرال، محترم میلاد رضا قادری اور دیگر نعت خواں حضرات نے حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں عقیدت کے پھول نچھاور کئے۔ اس سیشن کے اختتام پر شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے ادب و محبت اور عظمت مصطفیٰ ﷺ کے حوالے سے قرآن و حدیث کی روشنی میں جامع خطاب فرمایا۔

اسلام اور امن کانفرنس (کولمبیا۔ امریکہ)

منہاج القرآن انٹرنیشنل امریکہ کے ذیلی ڈیپارٹمنٹ ”پیسس اینڈ اینٹیگریشن کونسل آف نارٹھ امریکہ (PICNA) اور یونیورسٹی آف ساؤتھ کیرولینا (کولمبیا۔ امریکہ) کے ریلیجس سٹڈیز ڈیپارٹمنٹ کے زیر اہتمام ساؤتھ کیرولینا، کولمبیا (امریکہ) میں ”اسلام اور امن“ کے موضوع پر عظیم الشان کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے خصوصی شرکت کی۔ اس کانفرنس میں امریکہ بھر سے سینکڑوں مسلمان، مذہبی رہنماء، سکالرز، پروفیسرز، طلباء اور ساؤتھ کیرولینا ریاست کے نمائندے شریک تھے۔

اس کانفرنس کے انعقاد میں ”انٹرنیشنل ایسوسی ایشن آف ریلیجس فریڈم“ (IARF)، ”انٹرنیٹھ پارٹنرز آف ساؤتھ کیرولینا“ (IPSC)، ”اسلامک سٹڈیز اینڈ ریسرچ ایسوسی ایشن“ (ISRA)، ”USC سکول آف لاء“ اور ”واکر انسٹی ٹیوٹ آف انٹرنیشنل اینڈ ایریا سٹڈیز“ نے خصوصی تعاون اور اہم کردار ادا کیا۔

یہ پروگرام Pro. David Linnan (USC سکول آف لاء) کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ استقبالیہ کلمات Dr. Stephanie Mitchem اور چوہدری صادق نے پیش کئے۔ ڈاکٹر ولید الانصاری نے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا تعارف شریک کے سامنے پیش کیا۔

کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے شیخ الاسلام نے اسلام، ایمان اور احسان کی وضاحت کی کہ اسلام سراپا امن و سلامتی ہے۔ اسے کسی بھی طور دہشت گردی کے ساتھ بریکٹ نہیں کیا جاسکتا۔ اسلام نے انسان، حیوان، نباتات الغرض ہر ذی روح کے حقوق کا تحفظ کیا۔

شیخ الاسلام کے خطاب کے بعد شرکاء نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ اسلام بارے پھیلائی گئی غلط فہمیوں کے سدباب کے لئے یہ شیخ الاسلام کی ایک مضبوط علمی و فکری کاوش ہے۔ اس سے ہمارے سامنے اسلام کا رخ روشن ابھر کر سامنے آیا ہے۔ مغربی سوسائٹی شیخ الاسلام کی ان کاوشوں سے قبل میڈیا اور بعض مفاداتی طبقات کی طرف سے پھیلائی گئی غلط معلومات کی وجہ سے اسلام بارے شکوک و شبہات کا شکار اور خوفزدہ تھی مگر شیخ الاسلام نے خالصتاً علمی، تحقیقی بنیادوں پر قرآن و حدیث کی روشنی میں پرزور دلائل دے کر میڈیا کے اس غلط پیغام کی حقیقی معنوں میں بچ کئی کی۔

مقام مصطفیٰ ﷺ کانفرنس (کولمبیا۔ امریکہ)

یورپ اور مغربی معاشرہ میں رہنے والے مسلمانوں کی اکثریت مقام مصطفیٰ ﷺ سے نا آشنا اور ذات مصطفیٰ ﷺ سے کئی حوالوں سے غلط فہمی کا شکار تھی۔ اندریں حالات منہاج القرآن نے ہمیشہ کی طرح اپنا فرض منصبی ادا کرتے ہوئے اس ضرورت کو محسوس کیا اور امت کو حقیقی معنوں سے مقام مصطفیٰ ﷺ سے آشنا کرنے کے لئے یورپ اور امریکہ کے دیگر شہروں کی طرح کولمبیا میں بھی اس نوعیت کے پروگرام کو ترتیب دیا گیا۔

منہاج القرآن انٹرنیشنل امریکہ کے ذیلی ڈیپارٹمنٹ ”پیسس اینڈ اینٹیگنیشن کونسل آف نارٹھ امریکہ“ (PICNA) کے زیر اہتمام دوسری عظیم الشان کانفرنس بعنوان ”مقام مصطفیٰ ﷺ“ ساؤتھ کیرولینا (کولمبیا۔ امریکہ) میں منعقد ہوئی۔ جس میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے خصوصی شرکت کی۔ اس کانفرنس میں سینکڑوں مسلمان شریک تھے۔ کانفرنس کی صدارت محترم پروفیسر انعام الحق نے کی۔ تلاوت قرآن کی سعادت محترم امام محمد بشیر نے حاصل کی جبکہ محترم بلال صدیقی نے نعت رسول مقبول ﷺ پیش کی۔ محترم چوہدری صادق نے استقبالیہ کلمات پیش کرتے ہوئے PICNA کی کارکردگی رپورٹ حاضرین کے سامنے پیش کی۔

شیخ الاسلام نے کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ میرا مشاہدہ ہے کہ عقیدہ اہل سنت کو تقریباً 2 صدیوں سے تبدیل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور اس عقیدہ کے اثرات کو ختم کرنے کے لئے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ امت کے سچے اعتقاد کو مسخ اور مضبوط تعلق کو کمزور کیا جا رہا ہے حالانکہ ہمارے ایمان اور عقیدہ کی بنیاد نبی کریم ﷺ کے ساتھ مضبوط تعلق ہی ہے۔ توحید کو سمجھنے کے لئے رسالت پہلا ستون یا پہلا قدم ہے۔ نبی اکرم ﷺ پر مضبوط ایمان و اعتقاد اور رسالت کی اہمیت کو سمجھنے بغیر توحید کے تصور کو سمجھنا ناممکن ہے۔

اپنے خطاب کے دوران شیخ الاسلام نے مقام و عظمت مصطفیٰ ﷺ سے آشنائی کے لئے قرآن پاک کی متعدد آیات اور احادیث مبارکہ سے استدلال فرمایا کہ ایمان اور عقیدہ کے تحفظ کے لئے نبی کریم ﷺ سے تعلق عشقی پیدا کرنا ہوگا۔ اس کانفرنس میں ہر عمر کے احباب شریک تھے جو تقریباً اڑھائی گھنٹے تک شیخ الاسلام کے علمی، فکری اور تحقیقی خطاب کو نہایت توجہ، دلچسپی اور انہماک سے سنتے رہے۔

ڈائریکٹر انٹرفیٹھ ریلیشنز TMQ محترم سہیل احمد رضا متروکہ وقف املاک بورڈ کے ممبر نامزد حکومت پاکستان نے منہاج القرآن انٹرنیشنل کی قومی اور بین الاقوامی سطح پر مذاہب عالم کے مابین رواداری کے فروغ اور قیام امن کیلئے کی جانے والی عملی کاوشوں کے اعتراف میں منہاج القرآن انٹرنیشنل کے ڈائریکٹر انٹرفیٹھ ریلیشنز محترم سہیل احمد رضا کو وفاقی وزارت بین المذاہب رواداری و قومی ہم آہنگی کی مشاورتی کونسل کا ممبر اور متروکہ وقف املاک (غیر مسلم اوقاف) حکومت پاکستان کا ممبر بورڈ نامزد کیا ہے۔ وفاقی وزارت نے ان کا باقاعدہ نوٹیفیکیشن بھی جاری کر دیا ہے۔ مقامی ہوٹل میں ہونے والی تقریب میں چیئرمین متروکہ وقف املاک بورڈ سید آصف ہاشمی نے ان کی ممبر بورڈ متروکہ وقف املاک حکومت پاکستان نامزدگی کا باقاعدہ اعلان کیا اور مبارکباد دی۔

تحریکی سرگرمیاں

اٹلی (مرتب: محمد وسیم افضل قادری)

رپورٹ: ظہیر احمد انجم، وقاص ارشد بٹ: منہاج ویلفیئر فاؤنڈیشن اٹلی کے پلیٹ فارم سے اٹلی کے شہر کارپی میں آنے والے شدید زلزلہ اور اس سے متاثر ہونے والے خاندانوں کے لئے منہاج خیمہ بستی قائم کی گئی جس میں چار سو افراد کی رہائش کا انتظام کیا گیا۔ 20 اور 29 مئی 2012ء کو اٹلی کے ضلع مودنہ اور فرارا میں 5.9 اور 6.0 زلزلہ آیا۔ جس میں 19000 افراد بے گھر ہو گئے۔ ان دونوں اضلاع میں منہاج القرآن ساؤتھ اٹلی کی علاقائی تنظیمات چھتو اور کارپی موجود ہیں، بلکہ اٹلی میں منہاج القرآن کا سب سے بڑا مرکز بھی کارپی میں ہی ہے۔ منہاج القرآن کے رفقہاء، کارکنان اور وابستگان تقریباً تین دن تک گھروں سے باہر گاڑیوں، سپورٹس سنٹرز اور عارضی کیمپوں میں رہائش پذیر رہے اس دوران کارپی مرکز کو بھی نقصان پہنچا۔ بے گھر ہونے والوں میں دیگر کمیونٹی کے علاوہ پاکستانیوں کی بڑی تعداد شامل تھی جس میں کم و بیش منہاج القرآن کی 100 فیملیز اور متعدد کارکنان متاثر ہوئے۔ اس آفت کے وقت اور پریشانی کے عالم میں منہاج القرآن کی علاقائی تنظیم ریجو ایملیا مودنہ نے مرکزی تنظیم کی مشاورت و معاونت سے منہاج ویلفیئر فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام نہ صرف اپنے لوگوں کی امداد کے انتظام و انصرام کئے بلکہ اس کو دیگر افراد تک پہنچانے کا بھی منصوبہ بنایا۔ آریزو، مچراتا، بلزانو اور میلان (نارتھ اٹلی) کی علاقائی تنظیموں نے منہاج خیمہ بستی کے حوالہ سے بھرپور مدد کی۔ زلزلہ سے پیدا ہونے والی ہنگامی صورتحال کے پیش نظر اٹلی کی جملہ تنظیمات کا ہنگامی اجلاس طلب کیا اور باہمی مشاورت کے بعد خیمہ بستی کے قیام کا فیصلہ کیا گیا۔ منہاج القرآن انٹرنیشنل اٹلی اور منہاج ویلفیئر فاؤنڈیشن کے تعاون سے قائم کی گئی اس خیمہ بستی میں اٹالین، گانا، روس، تیونس، مراکش، نائجیریا، الجزائر، انڈین اور پاکستانی متاثرہ فیملیز کو ٹھرایا گیا۔ منہاج خیمہ بستی کا قیام منہاج القرآن

کلچرل سنٹر کے قریب کیا گیا۔ منہاج خیمہ بستی کے قیام کے بعد مسلم کمیونٹی کے علاوہ اٹالین گورنمنٹ اور آفیشلز نے بھی منہاج ویلفیئر فاؤنڈیشن کے اس اقدام کو سراہا۔ ریڈ کراس کارپی کی ڈائریکٹر نے اپنی ٹیم کے ہمراہ خیمہ بستی کا دورہ کیا اور ہر خیمہ میں جا کر وہاں مقیم فیملیز سے سہولیات کے بارے میں دریافت کیا اور منہاج خیمہ بستی کو ایک خوبصورت شہر کا نام دیا۔ انہوں نے کہا کہ اس شہر میں اس سے خوبصورت کوئی بھی خیمہ بستی نہیں ہے۔ پاکستانی قونصلیٹ میلان کے ویلفیئر اتاشی کے کونسلر فاروق حیدر نے بھی منہاج خیمہ بستی کا دورہ کیا اور منہاج ویلفیئر فاؤنڈیشن کی جانب سے مہیا کی جانے والی سہولیات پر ستائش کا اظہار کیا اور مبارکباد پیش کی۔ انہوں نے کہا کہ بے شک منہاج ویلفیئر فاؤنڈیشن رفاہ عامہ کے لئے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لارہی ہے اور مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ منہاج خیمہ بستی میں صرف مسلمان یا پاکستانی ہی نہیں بلکہ ہر مذہب، رنگ اور نسل سے تعلق رکھنے والے بھی مقیم ہیں اور یہ خدمت انسانیت کی اعلیٰ مثال ہے۔ دریں اثناء انٹرنیشنل میڈیا کے نمائندوں نے بھی منہاج خیمہ بستی کا دورہ کیا اور بستی میں مقیم خاندانوں سے انٹرویو کیا اور ان سے بستی میں دی جانے والی سہولیات کے بارے میں پوچھا۔ میڈیا کے نمائندوں نے منہاج ویلفیئر فاؤنڈیشن کی جانب سے دی جانے والی سہولیات اور منہاج خیمہ بستی کی تعریف کی اور مبارکباد بھی پیش کی۔ اس موقع پر منہاج یورپین کونسل اور منہاج ویلفیئر فاؤنڈیشن یورپ کے احباب بھی مسلسل رابطہ میں رہے۔ ملکی ناظم کے ذریعہ پاکستان ایسوسی ایشن کی سفیر تہینہ جمجوعہ، کونسلر جنرل طارق ضمیر، ویلفیئر کونسلر فاروق حیدر، ریڈ کراس کے نمائندوں اور بلدیہ کے ذمہ داران بھی گاہے بگاہے منہاج خیمہ بستی کا دورہ کرتے رہے۔

کویت (رپورٹ: محمد جعفر صمدانی)

منہاج پیس اینڈ انٹی گریٹیشن کویت کے صدر محمد جعفر صمدانی اور جنرل سیکرٹری مسٹر ایم ایچ قریشی پر مشتمل وفد نے

حسین، ناظم سید عدنان علی، ناظم دعوت سید عبدالباسط اور دیگر تنظیمی احباب نے ان کا استقبال کیا۔ اس دورہ کے دوران آپ کی درج ذیل مصروفیات رہیں۔

- ۱۔ پاکستانی فنش اسلامک سنٹر ہیلسنکی میں جمعہ کا خطاب۔
- ۲۔ سید عدنان علی کے گھر میں منہاج القرآن کے ممبران کے اعزاز میں دیئے گئے عشائیہ میں شرکت اور شرکاء سے گفتگو۔
- ۳۔ ہیلسنکی اور ایسپو شہروں کا وزٹ
- ۴۔ ایسپو میں منعقدہ فیملی ایونٹ میں خصوصی شرکت اور شرکاء کے ساتھ سوال و جواب کی نشست۔
- ۵۔ فن لینڈ کے دارالحکومت ہیلسنکی میں عظیم الشان مرکزی محفل میلاد میں شرکت۔

اس محفل میلاد میں تلاوت قرآن کی سعادت ڈاکٹر سمیع نے حاصل کی جبکہ منہاج القرآن فن لینڈ کے صدر اعجاز اختر قادری نے استقبالیہ کلمات پیش کئے۔ آخر میں محترم علامہ محمد صادق قریشی نے محبت مصطفیٰ ﷺ کے فروغ میں تحریک منہاج القرآن کے کردار پر خصوصی خطاب کیا۔

(رپورٹ: مفتی سہیل بشیر تحریک منہاج القرآن پشاور)

مجاہد اسلام سلطان العارفين حضرت سید شاہ قبول اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا مزار اقدس خیر پختونخواہ کے دارالمقام پشاور میں مرجع خاص و عام ہے۔ آج سے تقریباً تین سو سال قبل آپ مراکش کے شہر تینجا سے موسم بہار میں برصغیر پاک و ہند کے مشہور شہر پشاور تشریف لائے تھے لہذا ہر سال موسم بہار شروع ہوتے ہی اہل پشاور آپ کی آمد کی خوشی میں ایک شاندار تین روزہ جشن مناتے ہیں۔ جس میں نہ صرف خیر پختونخواہ بلکہ ملک عزیز کے دیگر صوبوں سے بھی معتقدین کثیر تعداد میں شرکت کرتے ہیں۔ اس سال درگاہ عالیہ کے سجادہ نشین پیر طریقت حضرت آغہ بیگی زاہد گیلانی کی خصوصی دعوت پر مرکزی امیر تحریک منہاج القرآن نے بطور مہمان خصوصی جشن کی تقریبات میں شرکت کی۔ اس دورہ کے دوران آپ کی مصروفیات کا اجمالی خاکہ درج ذیل ہے:

- ۱۔ درگاہ عالیہ کے سجادہ نشین کی خصوصی دعوت پر معززین شہر خاص کر پشاور یونیورسٹی اور متعلقہ کالجوں کے پروفیسروں اور

گذشتہ ماہ کویت میں تعینات امریکہ کے سفیر سے ملاقات کی اور شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی دہشت گردی کے خلاف لکھی گئی عظیم کتاب فتویٰ پیش کی۔ MPIC کویت کا وفد سفارت خانہ پہنچا تو امریکہ کے سفارتخانہ کے پولیٹیکل آفیسر کرس آئیڈیو اور نہال حسن نے استقبال کیا۔ اس موقع پر منہاج ہیں ایڈٹائیگریشن کویت کے وفد نے امریکہ کے سفیر MR. Mathew H Tueuer سے بھی ملاقات کی۔ اس میٹنگ میں افغان امور کے ماہر مسٹر مائیکل (Mr. Michael J Adler) (فرسٹ سیکرٹری) بھی موجود تھے۔ وفد نے امریکن سفیر اور شرکاء کو شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی شخصیت کا جامع تعارف کرایا اور ان کی طرف سے عالمی سطح پر قیام امن کے لئے کیے جانے والے عملی اقدامات کا ذکر کیا۔

جاپان (اعجاز رمضان کیانی)

منہاج القرآن انٹرنیشنل جاپان کے زیر اہتمام منہاج القرآن ابارا کی کین کے مرکز المصطفیٰ پر یوم سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کانفرنس پوری شان و شوکت سے منائی گئی۔ پروگرام کی صدارت NPO کے صدر صالح محمد افغانی نے کی جبکہ محمد انعام الحق (صدر MPIC جاپان) نے نقابت کے فرائض سرانجام دیئے۔ محمد سکندر اور محمد رفیع چپا کین سے خصوصی طور پر تشریف لائے۔ پروگرام کا باقاعدہ آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا جبکہ محمد فیصل ملک، عون شادا ایڈووکیٹ اور محمد وقاص نے آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں گلہائے عقیدت پیش کئے۔ منہاج القرآن اسلامک سنٹر ابارا کی کین کے ڈائریکٹر علامہ محمد شکیل ثانی نے شان و عظمت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے موضوع پر خصوصی خطاب کیا۔

فن لینڈ (سید عدنان علی)

منہاج القرآن انٹرنیشنل (لندن) برطانیہ کے ڈائریکٹر علامہ محمد صادق قریشی منہاج القرآن فن لینڈ کی تنظیم کی دعوت پر تین روزہ دورہ فن لینڈ کیا۔ فن لینڈ کے دارالحکومت ہیلسنکی پہنچنے پر منہاج القرآن فن لینڈ کے صدر اعجاز اختر قادری، نائب صدر چنید

مرکزی امیر تحریک TMQ کا دورہ خیبر پختونخواہ

۴۔ کی جانب سے مبارکباد دی اور مقامی صحافی احباب سے خطاب فرمایا۔
 محترم مرکزی امیر تحریک نے اپنے سہ روزہ دورہ پشاور میں آخری روز اورہ البصیرہ اسلام آباد کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی ”انٹرنیشنل وحدت امت کانفرنس“ میں شرکت فرمائی اور اپنے بصیرت افروز خطاب سے شرکاء کو محظوظ کیا۔ کانفرنس کے چیف آرگنائزر ڈاکٹر ثاقب اکبر نے خوبصورت الفاظ میں محترم مرکزی امیر تحریک کے پر اثر خطاب کو سراہا اور سر پرست اعلیٰ تحریک منہاج القرآن کی عالمی خدمات پر روشنی ڈالی، کانفرنس میں یورپ اور ایشیا کے نامور سکالرز کے علاوہ پاکستان کی تمام دینی اور سیاسی جماعتوں کے سربراہان بھی کانفرنس میں موجود تھے۔

۵۔ تحریک منہاج القرآن ویمن لیگ کے زیر اہتمام ایک عظیم الشان محفل میلاد کا انعقاد کیا گیا۔ جس کی صدارت درگاہ عالیہ کے سجادہ نشین کی اہلیہ محترمہ نے کی اور مہمان خصوصی مرکزی امیر تحریک کی اہلیہ محترمہ تھیں۔ ویمن لیگ پشاور کی صدر صاحبہ نے خواتین کی ایک کثیر تعداد کو اس شاندار محفل میلاد کے ذریعے تحریک منہاج القرآن کے مشن کا پیغام پہنچایا۔

۶۔ محترم مرکزی امیر تحریک نے اپنے دورہ پشاور میں تنظیم کے موجودہ مقامی راہنماؤں کے علاوہ تحریک کے پرانے ساتھیوں سے بھرپور ملاقاتیں کیں اور ان کو حضرت شیخ الاسلام کا سلام پیش کیا۔ محترم مرکزی امیر تحریک نے سابق صوبائی صدر تحریک منہاج القرآن محترم ضیا اکبر سیٹھی سے اُن کے بھائی سابق وفاقی وزیر محترم یونس الہی سیٹھی کی تعزیت کی اور ان کو حضرت شیخ الاسلام مدظلہ کا پیغام تعزیت پیش کیا۔

بعد ازاں پشاور سے واپسی پر مرکزی امیر تحریک نے درگاہ عالیہ ماکی شریف کے سجادہ نشین پیر طریقت حضرت سید روح الامین صاحب کی عیادت کی اور ان کو حضرت شیخ الاسلام کا پیغام دیا۔ جس پر حضرت پیر صاحب نے شکر مہر ادا کیا۔

وکلہ کی ایک کثیر تعداد نے محترم امیر تحریک کے ساتھ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری اور اشاعت اسلام کے عالمی پروگرام کے بارے میں سوال و جواب کی ایک خصوصی نشست کی۔

۲۔ تحریک منہاج القرآن پشاور کے زیر اہتمام ”عرفان القرآن کورس“ اور ”آئیں دین سیکھیں“ میں تقسیم اسناد و انعامات کی تقریب منعقد ہوئی۔ دونوں کورس درگاہ عالیہ کے حجرہ مبارک میں کچھ عرصہ پہلے شروع کرائے گئے تھے۔ مرکزی نظام تربیت کے محترم قاری حافظ محمد حسین فریدی سکالر کالج آف شریعہ منہاج القرآن نے بہت محنت سے ان کورسز کی تکمیل کی۔ اہل پشاور کی ایک بہت بڑی تعداد خاص کر اہل سادات کے صاحبزادگان نے استفادہ کیا۔ اس تقریب میں درگاہ عالیہ کے سجادہ نشین نے اپنی زیر نگرانی دونوں کورس مستقل طور پر چلانے کا اعلان کیا۔ بعد ازاں فروغ دین کے اس شاندار کام کو دیکھ کر پشاور کے سادات خاندان کے دیگر سجادہ نشینوں نے بھی اپنی اپنی درگاہوں پر ان مفید دینی کورسز کے چلانے کی استدعا کی۔ جس پر محترم امیر تحریک منہاج القرآن انٹرنیشنل نے سادات پشاور کے اس جذبہ کو سراہا اور پشاور تنظیم کے قائدین کو اس ضمن میں خصوصی انتظامات کرنے کی ہدایات دیں۔

تقریب میں محترم امیر تحریک نے درگاہ عالیہ کی لائبریری کے لیے حضرت شیخ الاسلام مدظلہ کی منفرد کتابوں کا ایک سیٹ محترم سجادہ نشین کو پیش کیا اور کورسز میں نمایاں اعزاز حاصل کرنے والوں کو بھی حضرت شیخ الاسلام کی کتابیں تحفہ میں پیش کیں۔ اس موقع پر شان اولیاء کے موضوع پر محترم مرکزی امیر تحریک اور علماء کونسل کوہاٹ کے صدر حافظ عبد الجلیل کے خطابات کو سامعین کی ایک بہت بڑی تعداد نے ذوق و شوق سے سنا۔ درگاہ عالیہ کے سجادہ نشین نے تحریک اور قائد تحریک کی عالمی دینی خدمات کے بارے میں تفصیل سے گفتگو فرمائی۔

۳۔ محترم مرکزی امیر تحریک خاص طور پر پشاور پریس کلب تشریف لے گئے اور محترم ناصر حسین نون منتخب جنرل سیکرٹری کو تحریک

تحریک منہاج القرآن پنجاب

رپورٹ: سید توقیر الحسن گیلانی ناظم TMQ پنجاب
تحریک منہاج القرآن پنجاب کی ایگزیکٹو کونسل کا
ماہانہ اجلاس محترم احمد نواز انجم صاحب امیر پنجاب کی زیر صدارت
مرکز پر منعقد ہوا۔ تمام صوبائی عہدیداران نے اپنی زیر نگرانی
تخصیصات کی کارکردگی رپورٹس محترم امیر پنجاب کو پیش کیں۔
موصولہ رپورٹس کی روشنی میں محترم قاضی نصیر
احمد ضلعی امیر جہلم نمایاں کارکردگی کے ساتھ صوبائی تنظیم میں
سرفہرست رہے اور MAN OF THE MONTH کا
اعزاز حاصل کیا۔

تخصیصی تنظیمات میں PP-53 جڑانوالہ نمایاں
کارکردگی کے ساتھ پنجاب بھر میں سرفہرست رہی اور
TEHSIL OF THE MONTH کا اعزاز حاصل کیا۔
پورے ہاؤس کی طرف سے محترم قاضی نصیر احمد اور PP-53
جڑانوالہ تنظیم کو مبارکباد پیش کی گئی۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی ماہ نومبر 2012ء
میں پاکستان آمد کے حوالے سے محترم امیر پنجاب نے ششماہی
ورکنگ پلان (جون تا نومبر 2012) کی تفصیلی بریفنگ دی اور اس
ضمن میں تنظیمات کو ورکنگ پلان دیا گیا۔

اجلاس میں محترم امیر پنجاب نے ماہ رمضان المبارک
میں ہونے والے پانچ روزہ دروس قرآن کی تخصیصات سے آگاہ کیا
۔ اس سال منڈی بہاؤ الدین، نارنگ منڈی، گوجرہ، عزیز بھٹی ٹاؤن
لاہور، چکوال، اڈکاڑہ، میانچوں، بور یوالا، احمد پور سیال، خانپوال،
لودھراں، جہانیاں، ملتان، لیہ، سمبڑیال، گوجرانوالہ، مریدکے، واہگہ
ٹاؤن لاہور، موگی بگلہ ٹوبہ اور چیچہ وطنی میں پانچ روزہ دروس قرآن
منعقد ہوں گے۔

خصوصی ہدایات برائے معتکفین شہر اعتکاف 2012ء

بجملہ اللہ تعالیٰ اس سال بھی شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ العالی کی زیر سرپرستی جامع المنہاج بغداد ناؤن ، ناؤن شپ لاہور میں شہر اعتکاف آباد ہو رہا ہے۔ جسے حریم شریفین کے بعد دنیا کے سب سے بڑے اعتکاف ہونے کا اعزاز حاصل ہے اور یہ اعتکاف تحریک منہاج القرآن کی پہچان ہے۔ وہ ہزارہا خوش نصیب معتکفین جو امسال اس سعادت سے فیض یاب ہوں گے ان کیلئے مرکز کی جانب سے خصوصی ہدایات دی جا رہی ہیں۔ جملہ معتکفین پر ان ہدایات کی پابندی لازمی ہوگی۔ نیز تنظیمات جن معتکفین کو لے کر آئیں گی ان سے ان ہدایات پر عمل درآمد کروانا لازم ہوگا۔ جملہ تنظیمات، رفقاء و کارکنان اعتکاف کو کامیاب بنانے کے لئے بھرپور محنت کریں۔

1- اعتکاف گاہ میں آنے سے پہلے کرنے والے کام

- ۱- پریشانی سے بچنے کے لئے بروقت ایڈوانس بکنگ کروالی جائے۔ اعتکاف گاہ میں گنجائش کے مطابق بکنگ کی جائے گی اور معتکفین کی مطلوبہ تعداد مکمل ہونے پر بکنگ بند کردی جائے گی۔ اعتکاف کی بکنگ کیلئے مقامی تنظیم سے رابطہ کریں۔
- ۲- اعتکاف رجسٹریشن فیس 1200 روپے ہے۔
- ۳- یکم جولائی سے 31 جولائی تک ایڈوانس بکنگ کی جائے گی۔ ۴- اپنے ہمراہ ضروری سامان لے کر آئیں۔
- ۵- CDs، کتب، کیسٹ کی خریداری کیلئے رقم ضرور ساتھ لائیں مگر رقم اعتکاف گاہ میں موجود بینک میں جمع کروائیں۔
- ۶- اگر کوئی بیماری ہے تو ڈاکٹر کی رپورٹ اور مکمل ریکارڈ ساتھ رکھیں۔ ۷- خواتین چھوٹے بچوں کو ساتھ نہ لائیں۔
- ۸- امیر حلقہ کی ذمہ داریاں سرانجام دینے کی صلاحیت کے حامل افراد کو تیار کر کے لائیں۔
- ۹- مقامی تنظیم کے ذریعے قبل از وقت مرکز کو اطلاع کریں تاکہ انتظامات بہتر ہو سکیں۔
- ۱۰- سیکورٹی کے پیش نظر اصل قومی شناختی کارڈ ہمراہ لائیں، فوٹو کاپی قابل قبول نہیں ہوگی۔

2- اعتکاف گاہ میں آتے وقت

- ۱- بروقت آمد (ہجوم اور پریشانی سے بچنے کیلئے 20 رمضان المبارک کی صبح ہی تشریف لے آئیں)
- ۲- سیکورٹی اور انتظامیہ سے بھرپور تعاون کریں۔ ۳- ہر شخص اپنی اور اپنے سامان کی خود چیکنگ کروائے۔
- ۴- اعتکاف گاہ میں داخلہ ٹوکن کے بغیر نہ ہوگا لہذا ایڈوانس بکنگ والے احباب اپنا ٹوکن ہمراہ لائیں۔
- ۵- موبائل فون اور قیمتی اشیاء بنک میں جمع کروا کر رسید حاصل کریں۔
- ۶- موبائل لانے سے اجتناب کریں، PCO کی سہولت دستیاب ہوگی۔

3- دوران اعتکاف:

- ۱- معتکفین پر انتظامیہ کے ساتھ ہر قسم کا تعاون لازم ہوگا۔
- ۲- آرام کے وقت آرام ضرور کریں تاکہ اگلے دن Fresh ہو کر معمولات سرانجام دے سکیں۔
- ۳- دیگر معتکفین بالخصوص بزرگوں کا خیال رکھیں اور اعتکاف گاہ میں موجود سہولیات کیلئے بزرگوں کو ترجیح دیں۔

۴۔ مشکلات زندگی کا حصہ ہیں اور قرب الہی بغیر مشکلات اور صبر کے ممکن نہیں، اس لیے دس روز پیش آنے والی مشکلات کو صبر و تحمل سے برداشت کریں۔ کیونکہ روزے سے برداشت اور صبر کا سبق ملتا ہے۔

۵۔ کسی بھی قسم کی پریشانی کی صورت میں شور شرابہ کرنے اور ماحول کو خراب کرنے کی بجائے انتظامیہ سے رابطہ کریں۔

۶۔ قرآن و حدیث کی روشنی بکھیرتا ہوا قائد محترم کا خطاب ہی حاصل اعتکاف ہے اس کو کسی قیمت پر Miss نہ کریں۔

۷۔ اعتکاف ایک ایسی سنت ہے جس میں اس کی روح کو مد نظر رکھنا لازمی امر ہے۔ لہذا اعتکاف میں تفریح کیلئے نہ آئیں بلکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کے حصول اور گناہوں سے توبہ کیلئے اعتکاف کریں اور اسکے جملہ تقاضے پورے کریں۔

۸۔ ایک دوسرے سے حسن سلوک سے پیش آئیں نیز عملی طور پر باہمی مدد، خدمت و قربانی کا جذبہ لے کر اعتکاف میں آئیں۔

۹۔ جن احباب کے ساتھ خواتین بھی آئیں وہ احباب، خواتین اعتکاف گاہ میں ملنے کیلئے جانے یا فون کرنے سے اجتناب کریں۔

۱۰۔ صفائی کا خاص خیال رکھیں۔ کوڑا کرکٹ و وضو خانہ اور باتھ روم کی جگہ نہ بھینکیں بلکہ کوڑے والے ڈرم میں بھینکیں۔

۱۱۔ کسی بھی مسئلہ کی صورت میں کنٹرول روم میں متعلقہ ذمہ داران سے رابطہ کریں۔

۱۲۔ سیکورٹی کے پیش نظر اپنے اردگرد کے ماحول اور افراد پر کڑی نظر رکھیں۔ کسی بھی مشکوک فرد یا لاوارث سامان/ شاپنگ بیگ، تھیلا وغیرہ دیکھنے کی صورت میں فوری انتظامیہ کو اطلاع کریں۔

۱۳۔ اپنے سامان کی خود حفاظت کریں۔

۱۴۔ انتظامیہ کی طرف سے جاری فیڈ بیک پروفارمہ اور کوائف فارم ضرور پر کریں۔

۱۵۔ دوسروں کیلئے آسانیاں پیدا کریں۔ ایسا کوئی کام نہ کریں جس سے گرد و نواح کے معتمدین کو کسی قسم کی تکلیف پہنچے۔

۱۶۔ آپ اپنی زکوٰۃ و عطیات اور فطرانہ منہاج ویلفیئر فاؤنڈیشن کے کیسپ پر جمع کروا سکتے ہیں۔

4۔ واپسی: واپسی کیلئے ٹرانسپورٹ کا بندوبست بروقت کریں اور منتظمین کو اپنی ڈیمانڈ 26 رمضان المبارک تک فراہم کر دیں۔

۲۔ اپنا مکمل سامان ساتھ لے کر جائیں (شیخ الاسلام کے خطابات کی CDS، کتب اور کیسٹس زیادہ سے زیادہ اپنے ہمراہ لے کر جائیں)

۳۔ اپنے حلقے کی صفائی ضرور کر کے جائیں کیوں کہ عید کے فوراً بعد سکول کے ننھے منے طلباء نے تعلیم کیلئے یہاں آنا ہے۔

مرکزی کمیٹی شہر اعتکاف 2012ء: ۱۔ محترم ڈاکٹر حقیق احمد عباسی (نگران) ۲۔ محترم شیخ زاہد فیاض (سربراہ)

۳۔ محمد جواد حامد (سیکرٹری) ۴۔ محترم جی ایم ملک (نائب سربراہ) ۵۔ محترم بریگیڈیئر عبداللہ رانجھا

۶۔ محترم رانا محمد ادریس (نائب سربراہ) ۷۔ محترم احمد نواز انجم (نائب سربراہ) ۸۔ محترم راجہ محمد جمیل اجمل (نائب سربراہ)

۹۔ محترم سید الطاف شاہ گیلانی (نائب سربراہ) ۱۰۔ محترم عاقل ملک (نائب سربراہ) ۱۱۔ محترم شاہد لطیف (نائب سربراہ)

۱۲۔ محترم حاجی محمد اسحاق (نائب سربراہ) ۱۳۔ محترم ساجد محمود بھٹی (نائب سربراہ) ۱۴۔ محترم شہزاد رسول قادری (ڈپٹی سیکرٹری)

۱۵۔ محترم صاحبزادہ افتخار الحسن (ڈپٹی سیکرٹری) ۱۶۔ محترم ذیشان بیگ (ڈپٹی سیکرٹری)

منجانب: محمد جواد حامد (ناظم اجتماعات و سیکرٹری اعتکاف 2012ء)

0313/0333-4244365, 042-35163843